رہنے دیا۔ بلکہ ان کی ہر بات کا جواب دے کر خود ان کو ہی خوار کیا ہے۔

نصاریٰ نے ایک عقیدہ پکڑا تھا کہ حضرت عیسیٰ چونکہ بن باپ کے ہیں۔ لہٰذا یہ خصوصیت ان کی خدائی کی پختہ دلیل ہے اور یہ ان کا مسلمانوں پر ایک بھاری اعتراض تھا۔

اور اس سے وہ حضرت عیسےٰ میں ایک خصوصیت ثابت کر کے ان کی خدائی کی دلیل پکڑتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسکے جواب میں ان کا یوں منہ توڑا۔ اور اس کا رد یوں بیان کیا کہ ان مثل عیسٰے عند اللہ کمثل آدم الخ یعنی اگر حضرت کی پیدائش اعجازی رنگ میں پیش کر کے تم اس کی خدائی کی دلیل ٹھیراتے ہو۔ تو پھر آدم بطریق اولےٰ خدا ہونا چاہیئے کیونکہ اس کا نہ باپ نہ ماں۔ اس طرح سے اول آدم کو بڑا خدا مان لو پھر اس بات کو عیسےٰ کی خدائی کی دلیل ٹھیراؤ۔

پس اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے اس استدلال کو غلط ثابت کر دیا۔ غرض نصاریٰ کے مسیح بن باپ کی پیدائش سے ان کی خدائی دلیل اور استدلال پکڑنے کو اللہ تعالےٰ نے

**آدم کی نظیر**

پیش کر کے باطل ٹھیرا دیا۔

ایک دوسری دلیل نصاریٰ نے مسیح کی خدائی کی یہ پیش کی تھی کہ وہ زندہ ہیں۔ اور مع جسم عنصری آسمان پر خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں۔ اور اس امر سے انھوں نے مسیح کی ایک خصوصیت ثابت کر کے اسی کو ان کی خدائی کی ایک زبردست دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اب ہمیں کوئی بتا دے کہ اگر توفّی کے معنی مع جسم عنصری کے آسمان پر اٹھائے جانے کے ہیں اور اس کے معنی حضرت کے لئے موت کے نہیں۔ تو پھر نصاریٰ کے اس اعتراض کا قرآن نے کہاں جواب دیا ہے؟ یا جس طرح ان کی دلیل اول کو ایک نظیر پیش کر کے توڑا تھا۔ اسی طرح کہیں سے ہمیں یہ بھی نکال کر بتاؤ کہ حضرت مسیح سے پہلے یا پیچھے اور کوئی ایسی بھی نظیر پائی جاتی ہے اور اگر کوئی نظیر نہیں تو یاد رکھو کہ

**اسلام آج بھی گیا اور کل بھی گیا**

نصاریٰ تو تم کو خود تمہارے عقیدہ سے ملزم کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ تم حضرت عیسےٰ کو زندہ اور جسم عنصری سے آسمان پر مانتے ہو۔ حالانکہ تمہارے رسول خاک مدینہ میں مدفون ہیں۔ اب بتاؤ کون افضل ہے عیسےٰ یا محمدؐ؟ افسوس کہ ان نام کے مسلمانوں پر کہ اپنی ناک کاٹنے کے واسطے آپ ہی دشمن کے ہاتھ میں چھری دے دیتے ہیں

یاد رکھو اگر خدا تعالیٰ کا یہی منشا ہوتا۔ اور قرآن و حدیث میں حقیقتاً یہی امر اس نے بیان کیا ہوتا کہ واقع میں حضرت مسیح زندہ ہیں اور وہ مع جسم عنصری آسمان پر بیٹھے ہیں۔ اور یہ عقیدہ بھی حضرت مسیح کے بن باپ کے پیدا ہونے کی طرح خدا کے نزدیک سچا عقیدہ ہوتا۔ تو ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھی کوئی نہ کوئی نظیر پیش کر کے قوم نصارےٰ کو اس امر کے حضرت عیسےٰ کی خدائی کی دلیل پکڑتے بند اور لاجواب کر دیتا؟ مگر خدا تعالےٰ کے اس امر کی دلیل پیش نہ کرنے سے صاف عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہرگز ہرگز یہ منشا نہیں۔ جو تم محض افترا سے خدا کے کلام پر تھوپ رہے ہو۔ بلکہ توفّی کا لفظ خدا تعالےٰ نے محض موت ہی کے معنوں کے واسطے وضع کیا ہے۔ اور یہی حقیقت اور اصل حال ہے۔

دیکھو ہر ایک خصوصیت جو کہیں خاص شخص کے متعلق پیدا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ضرور جواب دیا ہے۔ مگر کیا وجہ اتنی بڑی خصوصیت کا کوئی جواب نہ دیا۔ خصوصیت ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے شرک پیدا ہوتا ہے۔ فقط

یہ حضرت اقدس کی زندگی میں آپ کی آخری تقریر ہے۔ جو آپنے بڑے زور اور خاص جوش سے فرمائی۔ دوران تقریر میں آپ کا چہرہ اس قدر روشن اور درخشاں ہو گیا تھا کہ حضرت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر میں ایک خاص اثر اور جذب تھا۔ رعب ہیبت اور جلال اپنے کمال عروج پر تھا۔ بعض خاص خاص تحریکات اور موقعوں پر حضرت اقدس کی شان دیکھنے میں آئی ہوگی جو آج کے دن تھی۔ اس تقریر کے بعد آپنے کوئی تقریر نہیں فرمائی۔

(۴)

## آخری نظم

**از ڈاکٹر احمد حسین صاحب لائلپوری جو ۱۶ر مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت اقدس علیہ السلام کے حضور پڑھی گئی اس نظم کے بعد کوئی نظم حضرت اقدس کے حضور نہیں سنائی گئی۔!**

یا رب قادیاں میں میرا مزار ہووے
اور میرا ذرہ ذرہ اس پہ نثار ہووے
عبدالکریم یا رب جس جا ہوا ہے مدفوں
وہ خاک پاک میری دار القرار ہووے
اس میں مسیح آیا۔ جس نے خدا دکھایا
اس پر خدا کی رحمت بس بے شمار ہووے
آیا ہے تو مسیحا چودہ صدی کے سر پر
آمد پہ کیوں نہ تیرے فصل و بہار ہووے
تیرے لئے خدا نے لاکھوں نشاں دکھائے
پھر کیوں نہ تیرا دشمن ہر جا پہ خوار ہووے
قرآں میں خدا نے یہ لکھ دیا ہے پڑھ لو
گستاخ حق کا دشمن ہر جا پہ خوار ہووے
قرآں کتاب رحماں سکھلائے راہ عرفاں
اس کی طفیل سے دل حق پر نثار ہووے
قرآن نے بتائی عیسےٰ کی خبر ہمکو
اس کے نزول کا پھر کیوں انتظار ہووے
شیطاں کو یا الٰہی دکھلادے مار کر کے
مشکل یہی ہے باقی کشتی یہ پار ہووے
اے مہدی و مسیحا بہتر خدا سے دعا کر
رحمت خدا کی ہم پر بس بے شمار ہووے
یا رب قادیاں میں میرا مزار ہووے
اور میرا ذرہ ذرہ اس پر نثار ہووے

(۵)

## آخری نماز جو آپ نے ادا کی

۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء کی صبح کو جب فجر کی نماز کی اذان کان میں پڑی تو پوچھا کہ "کیا صبح ہوگئی؟" جواب ملنے پر نماز فجر کی نیت باندھی اور ادا کی۔

(۶)

## آخری الفاظ

وہ الفاظ جن پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے رفیق اعلےٰ سے جا ملے یہ تھے:—

**اے میرے پیارے! اے میرے پیارے!!**

**اے میرے پیارے اللہ۔ اے میرے پیارے اللہ۔**

(۷)

## آخری تحریر

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۲۵ر مئی ۱۹۰۸ء کی شام کو پیغام صلح کا مضمون ختم کیا۔ اور حالت مرض میں قلم دوات منگوا کر کچھ لکھنا چاہا۔ اور کچھ لکھا بھی۔ مگر افسوس وہ پڑھا نہیں گیا۔

(۸)

## اندرون خانہ میں حضرت اقدس کی آخری تبلیغی تقریر

۲۳ر مئی ۱۹۰۸ء کو بعد نماز عصر چند ہندو مستورات حضرت امام الزمان مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے در دولت پر آئیں اور بیان کیا کہ ہم مہاراج کے درشن کے واسطے آئے ہیں۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں اطلاع کی گئی۔ چنانچہ آپ نے نہایت لطف اور مہربانی سے ان کو اجازت دی۔ اور وہ گھر میں جا کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت اقدس چونکہ ان دنوں مضمون رسالہ پیغام صلح کے لکھنے میں مصروف تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپنے فرمایا کہ اب درشن ہو گئے اب تم جاؤ مگر انھوں نے عرض کی کہ ہم کو آپ کوئی وعظ سنا دیں۔ ہم اسی واسطے حاضر ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپنے اُن کے اصرار اور اخلاص کی وجہ سے اُن کو یوں مخاطب کیا (جو کہ آپنے ۲۴ مئی ۱۹۰۸ء کو قبل عصر بیان فرمایا):—

**فرمایا**

اصل بات یہ ہے کہ آپ لوگوں میں اگر دو ایک باتیں نہ ہوں تو آپ لوگ آریہ وغیرہ لوگوں سے سو درجہ بہتر اور اچھے ہو اُن میں سے پہلی بات تو یہی ہے کہ خدا کو جو کہ ہمارا تمہارا پیدا کنندہ اور پروردگار حقیقی ہے اس کو وحدہٗ لاشریک جان کر اس کی عبادت کرو اس کی عبادت میں کسی دوسرے دیوی۔ دیوتا پتھر یا پہاڑ۔ سانپ یا کسی دوسرے ہیبت ناک درندے گنگا مائی یا جمنا۔ کوئی درخت ہو یا نباتات غرض کوئی بھی بت اُس کے ساتھ شریک نہ کیا جاوے۔ اور اُسے ایک اکیلا خدا کر کے پوجا کرو یہ جو تم لوگوں نے ۳۳ کروڑ دیوتا بنا رکھے ہیں۔ ان کی کیا ضرورت تھی؟ اور یہ کیوں بنائے گئے ہیں؟ اتنے خدا تمام دنیا میں اور تو کسی کے بھی نہیں ہیں۔

(حضرت اقدس نے فرمایا اتنا بیان سن کر
ان مستورات نے طلب حق کی غرض سے عرض کی
کہ یہ بات آپ ہمیں سمجھا دیں)

اسپر حضرت اقدس نے فرمایا:۔ کہ دیکھو گدا دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو نر گدا دوسرے خر گدا۔ نر گدا کا تو قاعدہ ہوتا ہے۔ کہ ایک آواز کی اور اگلے دروازے پر چل دیئے۔ کسی نے کچھ دے دیا تو ٹھیک ورنہ خیر۔ بلکہ ایسے لوگوں کو بعض لوگ پیچھے سے آ کر بھی

خیرات دیتے ہیں۔ اُن کا کام صدا کرنا اور آگے بڑھنا ہوتا ہے مگر برخلاف اس کے خرگدا دھرنا مار کر بیٹھے رہتے ہیں۔ جب تک اُن کا سوال پورا نہ کیا جاوے۔ اور آخر ایسے گدا کو ملتا ہے۔ اور ضرور ملتا ہے۔ یہی حال خدا سے مانگنے والوں کا ہے۔ خدا سے بھی وہی پاتے ہیں جو خر گدا بن کر خدا ہی کے دروازے کے ہو رہتے ہیں۔ اور پکے ہو کر استقلال سے خدا کے حضور سے مانگتے ہیں۔ غیر مستقل اور جلد باز جو جلدی ہی نا اُمید اور بدظن ہو جاتے ہیں۔ وہ ہمیشہ محروم رہتے ہیں۔ صدق اور ثبات کے ساتھ خدا کی ذات پر کامل ایمان اور یقین بھی ضروری ہے

یہ امر صدق اور اخلاص کے خلاف ہے کہ جلدی ہی خدا سے مایوس ہو کر اوروں کی طرف اپنی حاجت کو لے جانا۔ اور دربدر مارے مارے پھرنا۔ کبھی کسی مُبت کے حضور التجائیں کرنا۔ کبھی کسی دیوتا۔ پتھر پہاڑ جنگل کے درخت یا گنگا مائی کی طرف حاجت لے جانا۔ اس امر کی دلیل ہے کہ ایک خدا پر بھروسہ نہیں۔ اور اس کو ساری حاجتوں کا پورے کرنے والا ہونے پر کامل ایمان نہیں۔ یا جلدی سے تھک کر اُس سے نا اُمید ہو کر اوروں کی طرف دامن حاجت پھیلانا خر گدائی کے بالکل خلاف ہے

ایک چھوڑ کر دوسرا اور دوسرا چھوڑ کر تیسرا خدا بنانا۔ اور اُن سے اپنی حاجتیں چاہنا بالکل غلط راہ ہے۔ بلکہ چاہیئے ایک کو پکڑو۔ اور اُسی سے اپنی ساری حاجتیں چاہو۔ اور وہ سب کا حاجت روا ہے۔ شرط صبر اور استقلال اور اور ایمان ہے

(اتنا حصہ سُن کر اُنھوں نے عرض کی کہ بات تو سچی ہے۔ مگر حضرت اقدس کی منشا کو پاکر کہ حضرت اقدس چاہتے ہیں کہ چلی جائیں پھر نرمی سے عرض کی کہ ہم دور سے آئے ہیں۔ اور پنکھا ہلانے کی خواہش ہے۔ اور صرف درشن اور باتیں سننے کو آئی ہیں۔ اب فرمایئے کہ پرمیشر سے پرارتھنا کیسے کیا کریں۔)

## فرمایا

پرارتھنا بے شک اپنی زبان میں کر لیا کرو۔ کہ اے سچے اور واحد خدا۔ اے کہ تو ساری مخلوق کا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے۔ اور سب کے حالات سے واقف ہے تجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔ اور ہر ذرہ تیرے تصرف میں ہے۔ تو جو چاہے سو کر سکتا ہے۔ تو ہمیں گناہ اور بھرشٹ کی زندگی سے نکال کر سیدھا راستہ بتا۔ ایسا ہو کہ ہم تیری مرضی کے موافق ہو جاویں۔ بدیوں سے ہمیں بچا۔ بدیاں ہمارے اختیار میں نہیں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم سے دور ہو جاویں ان کا تو آپ ہی علاج فرما۔ ان کا دور کرنا ہماری طاقت سے دور ہے۔ اور ایسا ہو کہ ہم تیری رضا کی راہوں پر چلکر ہمیشہ کی نجات اور سکھ کی وارث ہو جاویں۔ اور کوئی دکھ ہمارے نزدیک نہ آوے پہلے بدکرموں کے پھل سے بچا اور آئندہ نیک کرموں کی توفیق عطا فرما۔

اس طرح خدا سے سچے دل اور نیک نیتی سے خر گدا کی طرح پکی بن کر اُسی سے نہ کسی اور سے دعا کیا کرو۔ اور سب دیوی دیوتے ترک کر دو۔ آخر اس طرح کی سچی تڑپ اور دعا سے ایسا دن آ جاوے گا کہ دلوں کے سب گند دھو دیئے جاویں گے اور شانتی اور سکھ کی زندگی شروع ہو جاوے گی۔ فقط

## فرمایا

ان عورتوں کی حالت سے ٹپکتا تھا کہ شریف اور مخلص عورتیں تھیں لاہور جیسے شہر میں ایسی شریف اور نیک عورتوں کا وجود غنیمت ہے۔ فقط

(۹)

# حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آخری مکتوب

## مندرجہ اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء

اخبار عام کے لئے یہ ہمیشہ فخر رہے گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری وقت تک اس کے خریدار تھے۔ اور یہ عزت و شرف بھی اس کے حصہ میں آیا کہ آپ کا آخری مکتوب اسی روز شائع ہوتا ہے جبکہ حضور علیہ السلام اپنے مولیٰ کریم کی طرف مرفوع ہو چکے تھے۔ اس خط کی تحریر اور اشاعت کا باعث یہ ہوا کہ :۔

۱۷ ماہ مئی ۱۹۰۸ء کو بمقام لاہور جلسۂ دعوت پر جو تقریر حضرت اقدس نے فرمائی تھی۔ اس تقریر کی بنا پر یہ غلط خبر چھپی اخبار عام ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی کہ آپ نے اس جلسۂ دعوت میں دعوائے نبوت سے انکار کیا ہے۔ تو اسی روز حضور نے ایڈیٹر اخبار مذکور کی طرف ایک خط لکھا جس میں اس غلط خبر کی تردید کی۔ چنانچہ حضرت اقدس کا وہ خط یہ ہے:۔

جناب ایڈیٹر صاحب! اخبار عام۔ پرچہ اخبار عام ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء کے پہلے کالم کی دوسری سطر میں میری نسبت یہ خبر درج ہے کہ گویا مینے جلسۂ دعوت میں نبوت سے انکار کیا۔ اسکے جواب میں واضح ہو کہ اس جلسہ میں مینے صرف یہ تقریر کی تھی۔ کہ میں ہمیشہ اپنی تالیفات کے ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع دیتا رہا ہوں۔ اور اب بھی ظاہر کرتا ہوں کہ یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے۔ کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں۔ جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا۔ اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں۔ کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا۔ اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں۔ اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار اور متابعت سے باہر جاتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ یہی لکھتا آیا ہوں۔ کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں۔ اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔ اور جس بنا پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں۔ وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا کی ہمکلامی سے مشرف ہوں وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے۔ اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے۔ اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا۔ اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو۔ دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا۔ اور انھیں امور کی کثرت کی وجہ سے اُس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہو گا۔ اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے۔ تو میں کیوں کر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اسپر قائم ہوں۔ اسوقت تک جو اس دنیا سے گذر جاؤں۔ مگر میں ان معنوں سے نبی نہیں ہوں کہ گویا میں اسلام سے اپنے تئیں الگ کرتا ہوں۔ یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرتا ہوں۔ میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن کریم نے پیش کیا۔ اور کسی کو مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے۔ سو میں صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں۔ کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیشگوئی کرنے والا اور بغیر کثرت کے یہ معنی تحقیق نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ صرف ایک پیسہ سے کوئی مالدار نہیں کہلا سکتا۔ سو خدا نے مجھے اپنے کلام کے ذریعہ بکثرت علم غیب عطا کیا ہے۔ اور ہزارہا نشان میرے ہاتھ پر ظاہر کئے ہیں اور کر رہا ہے۔ میں خود ستائی سے نہیں بلکہ خدا کے فضل اور اس کے وعدہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ اگر تمام دنیا ایک طرف ہو اور ایک طرف صرف میں کھڑا کیا جاؤں۔ اور کوئی ایسا امر پیش کیا جائے۔ جس سے خدا کے بندے آزمائے جاتے ہیں۔ تو مجھے اس مقابلہ میں خدا غلبہ دیگا۔ اور ہر ایک پہلو کے مقابلہ میں خدا میرے ساتھ ہو گا۔ اور ہر ایک میدان میں وہ فتح دے گا۔ پس اسی بنا پر خدا نے میرا نام **نبی رکھا ہے**۔ اس زمانہ میں کثرت مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اور کثرت اطلاع بر علوم غیب صرف مجھے ہی عطا کی گئی ہے۔ اور جس حالت میں عام طور پر لوگوں کو خوابیں بھی آتی ہیں۔ بعض کو الہام بھی ہوتا ہے۔ اور کسی قدر ملونی کے ساتھ علم غیب سے بھی اطلاع دی جاتی ہے۔ مگر وہ الہام مقدار میں نہایت قلیل ہوتا ہے۔ اور اخبار غیبیہ بھی اس میں نہایت کم ہوتی ہیں۔ اور باوجود کمی کے مشتبہ اور مکدر اور خیالات نفسانی سے آلودہ ہوتی ہیں۔ تو اس صورت میں عقل سلیم خود چاہتی ہے کہ جس کی وحی اور علم غیب اس کدورت اور نقصان سے پاک ہو اسکو دوسرے معمولی انسانوں کے ساتھ نہ ملایا جائے۔ بلکہ اس کو کسی خاص نام کے ساتھ پکارا جائے۔ تاکہ اس میں اور اسکی غیر میں امتیاز ہو اس لئے محض مجھے امتیازی مرتبہ بخشنے کے لیے خدا نے میرا نام نبی رکھدیا۔ اور مجھے ایک عزت کا خطاب دیا گیا ہے۔ تاکہ اُن میں اور مجھ میں فرق ظاہر ہو جائے۔ ان معنوں سے میں نبی ہوں اور اُمتی بھی ہوں۔ تاکہ ہمارے سید و آقا کی وہ پیشگوئی پوری ہو کہ آنے والا مسیح اُمتی بھی ہو گا اور نبی بھی ہو گا۔ ورنہ حضرت عیسےٰ جن کے دوبارہ آنے کی باری ہے ایک جھوٹی اُمید اور جھوٹی طمع لوگوں کو دامنگیر ہے۔ وہ امتی کیونکر بن سکتے ہیں۔ کیا آسمان سے اُتر کر نئے سرے سے مسلمان ہوں گے۔ یا کیا اسوقت ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء نہیں رہیں گے۔

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

الراقم خاکسار

المفتقر الی اللہ الاحد

**غلام احمد عفی عنہ**

۲۳ مئی ۱۹۰۸ء از لاہور

# حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات آپ کی صداقت کی زبردست دلیل ہے

(از مولانا شمس صاحب سلمہٗ ربہ)

اخبار الحکم کے خاص نمبر کے لئے مضمون لکھنے کا ارادہ تھا مگر مقدمہ تنسیخ نکاح کے سلسلہ میں مجھے بھاولپور آنا پڑا۔ اور مقدمہ کی مصروفیت کی وجہ سے اسوقت تک نہ لکھ سکا۔ مگر آج الحکم مورخہ ۵/۱۴ کو دیکھ کر پھر لکھنے کی خواہش ہوئی۔ مضمون سوچنے لگا تو معاً دل میں آیا کہ ڈاکٹر فیض قادر صاحب جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے صحابی ہیں۔ ان سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سوانح کے متعلق کچھ دریافت کریں۔ چنانچہ انھوں نے میری اس درخواست پر کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی واقعہ سنائیں اپنے احمدی ہونے کا واقعہ سنایا۔ اور یہ واقعہ اس امر پر روشنی ڈالتا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات بھی آپ کی صداقت کی دلیل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کی وفات سے تیس سال پہلے یہ خبر دی کہ تیری عمر اسی برس سے چار پانچ کم یا چار پانچ سال زیادہ ہوگی۔ اور فرمایا کہ اگر تیری لوگ مخالفت بھی کریں۔ تو بھی خدا تعالیٰ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔ اور وہ تجھے قتل نہ کر سکیں گے۔ اور صاف طور پر یہ وعدہ دیا کہ انی متوفیک کہ میں تجھے طبعی موت دوں گا۔ اور دنیا کی کوئی طاقت تجھے قتل نہیں کر سکیگی۔ چنانچہ دشمنوں نے آپکے قتل کے منصوبے کئے۔ لیکن ان کی تمام تدبیریں اور تمام حیلے بیکار ثابت ہوئے اور ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو خدا تعالیٰ کا وہ کلام پورا ہوگیا جبکہ آپ کو خدا تعالیٰ نے وعدہ دیا تھا کہ میں لوگوں سے تیری حفاظت کروں گا۔ اور تجھے کوئی قتل نہیں کر سکے گا۔ اور تجھے طبعی موت دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اب میں ڈاکٹر فیض قادر صاحب کی بیعت کا واقعہ درج کرتا ہوں۔ جو انھوں نے آج بتاریخ ۵/۱۴ ۹ بمقام بھاولپور مجھے سنایا اور وہ یہ ہے:۔

میں حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ واقعہ قتل لیکھرام کے بعد میں موضع کالواں میں بحیثیت وٹیرنری اسسٹنٹ محمد بخش تھانہ دار کے ہمراہ ایک کیس کی تحقیق کے لئے گیا۔ اور وہ کیس یہ تھا۔ کہ چماروں نے بعض مویشیوں کو زہر دے دیا تھا۔ وہاں اتوار کے روز جبکہ میں بر لب سڑک ایک درخت کے نیچے ان مویشیوں کا علاج کر رہا تھا۔ دیکھا چند یکے۔ جن میں لاہور وامرتسر کے بعض ہندو وکلاء اور بٹالہ کے مہاجن اور رئیس بھی بیٹھے ہوئے تھے گذرے۔ میں نے خیال کیا کہ شاید یہ لوگ محمد بخش تھانہ دار کے پاس سفارش کرنے کے لئے آئے ہیں۔ لیکن جب شام کو کالواں کا نمبردار میرے پاس آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ یکے آپ کے گاؤں میں آئے اور چند گھنٹے ٹھہر کر واپس چلے گئے۔ یہ کیوں آئے تھے؟ اس نے بات کو ٹالنا چاہا۔ اور کہا کہ کوئی بات نہیں۔ آخر میرے اصرار پر اس نے کہا "ایہہ جو مرزا قادیاں والا ہے ایہدے واسطے آئے سی" یعنی یہ جو قادیان کا مرزا ہے اس کیواسطے آئے تھے۔ اور کہتے تھے بقر عید کے دن اسے قتل کر دو۔ اور بیدہ ہزار روپیہ جس شخص کے پاس بٹالہ میں چاہو رکھ دیتے ہیں میں نے کہا پھر کیا بات طے ہوئی۔ تو اس نے کہا کہ دیکھا جائیگا۔ میں نے کہا کہ تم مرلہ مرلہ زمین اور ایک کھرلی کیواسطے خون کر دیتے ہو۔ تم مرزا کو کیوں قتل نہیں کر دیتے۔ کیونکہ اس نے فتنہ پھیلایا ہوا ہے۔ اس نے کہا تم بھی اس کے برخلاف ہو؟ میں نے کہا ہاں میں بہت بُرا جانتا ہوں۔ اس واقعہ کے ڈیڑھ ماہ کے بعد بٹالہ میں نائب تحصیلدار نے مجھے ایک سبز اشتہار دیکر کہا کہ اسے پڑھو۔ میں نے پڑھا۔ اس اشتہار کا عنوان یہ تھا کہ "بکرے کی ماں کب تک خیر منائیگی" مرزا بقر عید کے دن قتل کیا جائیگا۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ کالواں والوں سے ضرور سمجھوتہ ہوگیا ہے۔ میں نے غلام مصطفیٰ بٹالوی کمپوڈر دروازہ والے سے اس امر کا ذکر کیا اور کہا کہ بقر عید تو قادیان میں پڑھینگے اور تماشہ دیکھینگے چاہے نماز ہو یا نہ ہو۔ اس نے کہا آپکے پاس تو گھوڑی ہے لیکن میرے پاس گھوڑی نہیں۔ میں نے اسے گرداور کی گھوڑی لے دی اور عید کے روز قادیان پہونچگئے۔ لوگ قادیان کی مشرقی

## ان میں سے ہائے سوچنے والے کدھر گئے

از مولانا جلال الدین صاحب شمس

موعود پاک آکے بڑا کام کر گئے<br>
پھیلا کے چار دانگ میں انوار گئے

پابوس صبح و شام رہیں کامیابیاں<br>
دشمن تمام آپکے ناکام مر گئے

آئی بہار خوب ہی رنگینیوں کے ساتھ<br>
گلہائے تر سے دامن گلزار بھر گئے

دینداربن گئے ہیں جو تھے کبھی مے پرست<br>
صہبائے فسق و کفر کے نشے اتر گئے

دن رات جن کو لڑنے جھگڑنے سے کام تھا<br>
دل انکے اب محبت و الفت سے بھر گئے

ارباب ظلم و جور کی جولانیاں گئیں<br>
جو مدتوں سے بگڑے ہوئے تھے سنور گئے

آیا وہ پاکباز کہ تھا جس کا انتظار<br>
لاکھوں بزرگ شوق میں جسکے گذر گئے

ڈالی ہے روح پاک عظام رمیم میں<br>
آکر مسیح پاک عجب کام کر گئے

اس زلزلے سے ایکے جو آیا بہار میں<br>
لاکھوں ہوئے تباہ ہزاروں ہی مر گئے

اے شمس پھر بھی باز نہ آئے مکذبیں۔<br>
ان میں سے ہائے سوچنے والے کدھر گئے۔

جانب پل کے پاس بڑ کے درخت کے نیچے (جس کے قریب اب عورتوں کا جلسہ گاہ ہے) جمع ہو رہے تھے۔ ہم گھوڑیاں باندھ کر وہاں بیٹھ گئے ہمارے ساتھ مرزا نظام الدین اور مرزا امام الدین تھے۔ میں لوگوں کی طرف دیکھتا تھا۔ کہ کیا کوئی سکھ مارنے کے لئے بھی آیا ہے۔ ایک بیس برس کی عمر کا سکھ نوجوان جس کے ہاتھ میں تیل چڑھی ہوئی لاٹھی تھی اور بدن پر تیل ملا ہوا تھا نظر آیا۔ تو میں نے خیال کیا شاید یہ شخص اسکے ساتھ چھری لگا کر مارے گا۔ مولوی نورالدین صاحب نے نماز پڑھائی میں سجدے میں سے اٹھ اٹھ کر دیکھتا تھا کہ شاید اب کوئی مارتا ہو مگر کسی نے نہ مارا۔ مولوی نورالدین صاحب نے سجدہ ذرا لمبا کیا۔ تو مرزا امام الدین سجدہ میں ہی بول پڑا کہ سجدہ بہت لمبا کر دیا ہے۔ مولوی نورالدین صاحب نے خطبہ پڑھا۔ جب حضرت صاحب واپس جانے لگے تو میری طرف سے گذرے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ یہ شخص بزرگ ہے اس کے ساتھ مصافحہ کرنا چاہئے۔ میں نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ تو مجھے ایسی خوشی ہوئی جو آج تک پھر کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ میں نے ایسا محسوس کیا کہ گویا چاند دو ٹکڑے ہو کر میرے سینے میں آگیا ہے اور اسے منور کر دیا ہے۔ میں مبہوت سا ہو کر وہیں کھڑا رہ گیا۔ جب ربودگی کی حالت مجھ سے دور ہوئی تو اسوقت لوگ وہاں سے جا چکے تھے۔ میں گھوڑی کھول رہا تھا کہ مفتی فضل الرحمان صاحب آئے اور دریافت کیا کہ فیض قادر تم ہی ہو۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ انھوں نے کہا کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ شاید تم مرزا صاحب کا کھانا نہیں کھاؤ گے (کیونکہ انھیں میری مخالفت کا علم تھا) اسلئے آپ کھانا میرے ساتھ آکر کھائیں۔ کھانے کے بعد مولوی غلام مصطفیٰ صاحب نے کہا کہ ہم چلے تو جائینگے اور کل جا کر قربانی کرلینگے۔ آج جمعہ کی نماز بھی پڑھتے جائیں سنا ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب بہت اچھا قرآن پڑھتے ہیں میں نے کہا اچھا۔ جمعہ کے لئے بڑی مسجد میں گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کچھ پہلے تشریف لے گئے۔ شاید مفتی محمد صادق صاحب نے عرض کیا کہ لاہور سے بعض لوگ بیعت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اور وہ آج ہی واپس جانیکا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ نماز کے بعد بیعت لینگے۔ مولوی صاحب کے قرآن پڑھنے کا بہت اثر ہوا۔ جب جمعہ کے بعد حضرت صاحب بیعت لینے لگے میں تیسری یا چوتھی صف میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ آواز آئی کہ تم بھی بیعت کے لئے ہاتھ پکڑو۔ میں نے لاحول پڑھی پھر آواز آئی میں نے درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ لیکن تیسری بار بہت زور سے آئی تو میں نے جا کر ہاتھ پکڑ لیا اور بیعت کر لی اور میرے ساتھی نے بھی۔ جب بیعت کر چکے تو حافظ عبدالرحمان صاحب حضرت صاحب کے پاس گئے اور عرض کیا کہ بٹالہ میں جو بہت شور کرتا تھا اس نے بھی آج بیعت کر لی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب کہاں کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا فیض اللہ چک کے۔ حضور نے فرمایا رات کا کھانا وہ ہمارے ساتھ کھائیں جب ہم رات کو کھانے کے لئے بیٹھے تو میں روتا تھا اور اسقدر رویا کہ میرا کرتا بھی آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ حضرت صاحب بار بار دیکھتے اور فرماتے ڈاکٹر صاحب کیوں روتے ہو۔ میں نے کہا حضور میں آپکے حق میں گستاخی سے سخت کلمات استعمال کرتا رہا ہوں آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ وہ تو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے کیا آپ نے میرے ہاتھ پر بیعت کیوقت تین مرتبہ استغفار نہیں پڑھا؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ آپنے فرمایا وہ تو خدا نے معاف کر دیئے..........!

.......... میں نے عرض کیا خدا نے اپنے گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ جو میں نے آپکے گناہ کئے تھے وہ آپ بھی معاف کریں تو ہوں تو آپنے ہنس کر فرمایا کہ ہم نے معاف کر دیئے ہیں۔ پھر میں نے حضرت صاحب کے ساتھ کھانا کھایا۔ جب صبح کو بٹالہ پہنچے تو وہاں شور پڑ گیا۔ میں نے مولوی غلام مصطفیٰ سے بیعت کا سبب دریافت کیا۔ تو انھوں نے کہا مولوی عبدالکریم صاحب نے قرآن کریم ہاتھ میں لے کر خطبہ میں مرزا صاحب کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ منجانب اللہ ہے تو جب ہماری نماز روزہ قبلہ وغیرہ ایک ہی ہے اور کوئی مخالفت نہیں تو پھر ہم کیوں نہ مانیں۔ اگر خدا کی طرف سے ہے تو ہماری نمازوں وغیرہ کی کوئی پرسش نہیں ہوگی۔ اگر خدا کی طرف سے نہیں تو اس کا وبال اس پر ہوگا۔ ہم تو نماز وغیرہ وہی پڑھتے ہیں جو اسلام نے بتائی ہے میں نے کہا کہ میں نے تو اسطرح نہیں مانا جوتے کھا کر مانا ہے۔ میری مثال تو موسیٰ کی سی ہے آگ لینے کو گئے اور پیغمبر بن گئے۔ میں قتل دیکھنے کے لئے گیا اور آپ اسکے ہاتھ پر بیعت کر کے چلا آیا ہوں۔ میں قیامت تک اسکی منادی کرونگا۔ پھر تمام مقدمات میں حضرت صاحب کے ساتھ رہا اور حتی الامکان میں نے ان تمام مقدمات میں جو آپ پر کئے گئے خدمت کی۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ ہندو آریہ لوگ بھی کیسے کیسے حیلے اور منصوبے آپکے قتل کے لئے سوچتے رہے۔ مگر آخرکار ان کے سارے منصوبے خاک میں

# یادِ ایام

(از حضرت قاضی اکمل صاحب)

مخدومی قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل ناظم طبع و اشاعت میری معرفی کے محتاج نہیں۔ چوتھائی صدی سے زیادہ عرصہ گذرتا ہے کہ وہ اپنے قلم سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی قابل رشک خدمت کر رہے ہیں۔ سلسلہ کے ایک پرانے اخبار نویس ہونے کے علاوہ انھوں نے متعدد کتب سلسلہ کی صداقت کے لئے لکھی ہیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت مخدوم الملتہ رضی اللہ عنہ ان کے زور قلم اور طریق استدلال کی ہمیشہ قدر فرمایا کرتے تھے۔ قاضی صاحب نے معاصر نوازی کے مخلصانہ تعلقات کی مضبوطی کے عملی ثبوت میں میری تحریک پر باوجود ذاتی عدیم الفرصتی اور دائمی علالت کے الحکم کے خاص نمبر کے لئے ایک ایسا گرانقدر تحفہ دیا ہے جو یقیناً قارئین الحکم کے لئے دلچسپی ہی نہیں افزونی ایمان کا موجب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انھیں خدمت سلسلہ میں لمبی عمر عطا کرے۔ اور میں قارئین الحکم سے بھی درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایسے گرامی قدر وجود کے لیئے دعا کرتے رہیں۔ (عرفانی)

---

یادِ ایام سلف نے ہائے کیا تڑپا دیا
داغِ حسرت آہ میرے سینے میں چمکا دیا

---

پیہم تقاضا ہے کہ الحکم کے خاص نمبر کے متعلق اپنا فرضِ قلمی ادا کروں۔ مگر میں سوچتا ہوں کیا لکھوں۔ کیا نہ لکھوں۔ وجہ یہ کہ جب سے دارالامان میں سعادتِ اقامت حاصل ہوتی میرا فرض منصبی ہی یہ تھا کہ جو کلمات طیبات زبان وحی ترجمان سے سنوں۔ احباب کرام تک بلاکم و کاست پہنچا دوں۔ اب میں زبانی روایت کیوں کر کروں۔ جب تک اس لکھے ہوئے کے ساتھ مطابقت نہ دے لوں۔ ورنہ اختلاف کا احتمال ہے۔ جو کئی نقائص کا موجب ہو سکتا ہے بہرحال چند تاثرات نظارے بلا کسی ترتیب کے لکھے دیتا ہوں :۔

## ذرّہ نوازی

میں مسجد مبارک کی مغربی دیوار کے ساتھ محراب کیساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اور دیکھنا چاہتا تھا کہ حضور انور نماز کس طریق پر ادا فرماتے ہیں۔ ان دنوں مجھے فقہی مسائل میں بہت توغل تھا۔ اور حنفی اور اہل حدیث وغیرہ کے اختلافات اور ایک دوسرے کے مخالف روایات سے

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا

کا مضمون صادق آرہا تھا۔ فیصلہ کا بہترین طریق یہی تھا کہ میں بروز سیدنا محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو نماز پڑھتے دیکھ لوں۔ حضور نوافل اور سنن اندرون خانہ ہی ادا فرماتے تھے۔ مگر جمعہ کے روز دو رکعت خطبے سے پہلے مسجد میں پڑھتے تھے۔ جمعہ دو مسجدوں میں ہوتا تھا۔ مسجد اقصےٰ میں بامامت حضرت علامہ نورالدین رضی اللہ عنہ اور مسجد مبارک میں بالعموم مولانا سید محمد احسن صاحب امروہوی مرحوم خطیب ہوتے۔ مولانا کا خطبہ ۵۰ - ۶۰ منٹ طویل ہوتا۔ حضور نہایت سکون کے ساتھ دستار مبارک کے شملے کا ایک پلڑا ہونٹوں پر رکھے بیٹھے رہتے۔ اور خطیب صاحب جتنا بھی خطبہ لمبا کرتے ہم خوش ہوتے۔ کیونکہ ہم اتنی دیر زیارت سے مشرف رہتے۔ ہاں اس روز جمعہ تو نہیں تھا۔

ظہر کا وقت تھا۔ رسالہ "نبی اللہ کا ظہور" کا ذکر ہوا۔ تو فرمایا آپ کا نام محمد ظہیر الدین ہے؟ (کیونکہ عام طور سے اکمل کے نام سے مشہور تھا۔ اور بہت کم لوگوں کو میرا نام معلوم تھا) عرض کیا :۔ محمد ظہور الدین۔ فرمایا

د اور ی قریب قریب ہیں۔

(۲) جب میں پہلے پہلے آیا تو حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی ہمت افزائی سے میں نے اپنی نظم مسجد مبارک میں پڑھنے کا ارشاد عالی حاصل کیا (اب تو مجھے اپنی جسارت اور کم علمی پر تعجب ہی آتا ہے۔ مگر یہ ایک ولولۂ شوق تھا ورنہ میں کسی طرح بھی اس قابل نہ تھا کہ اپنے اشعار پھر اپنی تھرائی ہوئی آواز میں سناؤں) پہلے میں نے ایک رباعی عرض کی۔ رباعی تو یاد نہیں اور عموماً مجھے اپنے اشعار یاد نہیں آتے۔ لیکن اس کا مضمون یاد ہے کہ کوئی حنفی ہے کوئی شافعی۔ مگر میں خوش ہوں کہ ع

احمدی ہوں بغلامیٔ غلام احمدؑ

حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ (جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حضور نہایت ادب سے سر جھکائے بیٹھے تھے۔ اور مجھے بعض وجوہ سے کئی مسائل میں ایک غالی اہلحدیث خیال فرماتے تھے) خدا جانے کیا مصلحت تھی۔ فرمانے لگے۔ حنفیوں پر یہاں بھی چوٹ کردی۔ اتنا کہنا تھا۔ میری آواز بالکل بند ہوگئی۔ اور مجھے شرم دامنگیر ہوئی۔ حضور نے مسکراتے ہوئے فرمایا :۔ نہیں ایسا نہیں ہے یجوز للشاعر مالا یجوز لغیرہٖ۔ اس سے تقویت پاکر میں نے اپنی نظم ختم کی جس کے ایک دو شعر یہ ہیں :۔

جو آگیا چمن میں ترے اے خلیل وقت
اس نار میں وہی تو چنے گا اماں کے پھول

ذرے جو تیری خاکِ قدم کے ہیں اے مسیح
وہ اڑ کے جا بنے چمنِ آسماں کے پھول

جو مٹ گئے ہیں تیری محبت میں اے حبیبؐ
مٹی سے نکلے بن کے وہی لالہ کاں کے پھول

خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم بھی تشریف رکھتے تھے۔ کہنے لگے حضور بہت سنگلاخ زمین میں پھول کھلائے ہیں۔

(۳) گولیکی میں طاعون پھیلا۔ میرا چھوٹا بھائی اس مرض میں ایسا شدید مبتلا تھا کہ چار دن سخت بے ہوش رہا۔ مجھے اطلاع پہنچی۔ تو چونکہ بوجہ مخالفت شماتت اعداء کا خوف تھا۔ اسلیئے میں نے دعا کے لئے عرض کی اسوقت جب سیر سے واپس تشریف لاکر سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے۔ ایک دو زیور پیش کئے۔ جو میری والدہ صاحبہ نے نذر بھیجے تھے۔ حضور نے فرمایا اللہ پر بھروسہ رکھیں شفا بخشے گا۔ اس کے بعد باوجود کسی ظاہر معالجہ نہونے کے برادر عزیز کو شفا ہوگئی۔ اور میں نے ایک مضمون لکھا "مردہ جو مسیح نے زندہ کیا"

(۴) میں بدو شباب ہی سے سخت بیمار ہوگیا تھا۔ اور چونکہ ایک گاؤں میں رہتا تھا۔ جہاں کسی کو ملیریا اور دق میں فرق کرنے کی تمیز نہ تھی۔ اسلئے مختلف عوارض سے پورے دس سال چارپائی پر رہا۔ والد ماجد سنہ ۱۹۰۰ء کا غالباً ذکر ہے۔ میرے لئے حضور کا پس خوردہ بطور تبرک لائے۔ ان دنوں حضور باہر مہمانوں کے ساتھ کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔ اس تبرک کے بعد میری بیماری میں بہت افاقہ ہوگیا۔ اور میں نے (سنہ ۱۹۰۴ء جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور تشریف لائے اور مشہور و معروف لیکچر ہوا۔) حضور کا لیکچر سنا۔ اور وہ تقریر بھی جو چند منٹ حضور نے اپنی زبان مبارک سے فرمائی تھی۔ میں نے مخدوم الملتہ مولانا عبدالکریم رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ حضور کئی دن سے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ اور آجکل فصل کا موقعہ ہے۔ سینکڑوں کاشتکار اور دیہاتی شوق زیارت میں بے تاب منتظر ہیں۔ اگر حضور چند منٹ کے لئے باہر تشریف لائیں تو کیا اچھا ہو۔ مولانا نے میری گردن پر ہاتھ رکھ کر نصیحت فرمائی کیا خدا کا ماموران حالات کو خود نہیں جانتا؟ ہمارا کچھ کہنا ایک بے ادبی ہے۔ اور نہایت ترنم سے یہ آیت پڑھی :۔

ان الذین ینادونک من ورآء الحجرات اکثرھم لا یعقلون ولو انھم صبروا حتے تخرج الیھم لکان خیرا لھم واللہ غفور رحیم ہ

مولانا کا مسلک عاشقانہ تھا۔

## مہمان نوازی

حضور کی مہمان نوازی کے تو اتنے قصے ہیں کہ ہر احمدی جو اس زمانے میں آتا تھا ان کا زندہ گواہ ہے۔ گرمی کے موسم میں جناب شیخ رحمت اللہ صاحب لاہور سے تشریف لائے۔ حضور نماز ظہر سے پہلے آکر حسب معمول رونق افروز تھے۔ شیخ صاحب مرحوم نے آہستہ سے حافظ حامد علی صاحب مرحوم سے کہا کہ پیاس لگی ہے پانی لاؤ۔ ادھر سے کسی نے اقامت صلوٰۃ کہنا شروع کردی۔ حضور نے سن لیا۔ فرمایا میں خود لاتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں حضور ایک صراحی ایک گلاس اٹھائے تشریف لائے۔ اور خود پانی میں شربت

ڈال کر شیخ صاحب کو بلایا اور فرمایا آپ جو برف لائے وہ اس میں بھی ڈال دی تھی اس کے بعد نماز ہوئی۔

## سادگی

(۱) لاہور سے جب احباب تشریف لاتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ ملاقات کا موقعہ دیتے۔ ایک دن حضور کی طبیعت بہت علیل تھی فرمایا اندر ہی آجائیں۔ ہم بھی انکے ساتھ ہی اندر چلے گئے۔ اور لوگ بلا تکلف ادھر اُدھر چارپائیوں اور صندوقوں پر جہاں کسی کو جگہ ملی بیٹھ گئے حضور کے پاس پلنگ کے برابر ایک میز پڑی تھی۔ جس پر چار پانچ موم بتیاں لگی ہوئی تھیں۔ دوات قلم اور کاغذ تھا۔ ایک رضائی تھی جس میں کچھ پیوند بھی تھے۔

(۲) حضور جب مسجد میں تشریف لاتے تو تمام لباس زیب تن فرماتے۔ کوٹ۔ پگڑی اور ایک کھونڈا! گویا خذوا زینتکم عند کل مسجد پر پورا عمل تھا۔ جب ایک کھڑکی سے باہر نکلتے تو وہاں ہمارے مکرم حافظ ابراہیم صاحب نابینا علی العموم گیارہ بجے ہی سے بیٹھے ہوتے۔ وہ ضرور سب سے پہلے السلام علیکم کہتے۔ یا اس کا جواب دیتے اور پھر لباس مبارک کو مس کر کے برکت حاصل کرتے اور دعا کے لئے عرض کر لیتے۔ صرف ایک بار میں نے حضور کی زیارت ایسے لباس میں کی۔ جبکہ شیخ رحمت اللہ صاحب وغیرہ احباب لاہور کے آنے پر حضور مسجد مبارک میں تشریف لے آئے۔ سر پر ترکی ٹوپی تھی۔ جو بہت پرانی اور فرسودہ سی بغیر پھندنے کے۔ اور مہندی لگائے ہوئے تھے۔ غالباً اسی لئے صرف کرتا تھا۔ کوٹ نہ تھا۔ شیخ صاحب نے عرض کیا حضور گھڑی آیا اچھی چلتی ہے؟ آپ نے ایک رومال کو فرش پر رکھ کر اور ایک دو گانٹھیں کھول کر اس میں سے گھڑی نکالی۔ معلوم ہوا کہ بند ہے۔ چابی دی گئی۔ وقت درست کیا گیا۔ مولوی محمد علی صاحب نے آہستہ سے کہا اب جس دن پھر آؤ گے چابی دے دینا۔ حضور نے یہ معلوم کر کے مسرت ظاہر کی کہ ایک گھڑی ایسی ہے جسے سات روز چابی دیجاتی ہے۔

(۳) ایک دن اثنائے سیر میں ایک حافظ صاحب کو پیش کیا گیا کہ بہت خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ حضور بغیر دامن سمیٹنے کے وہیں ریت پر بیٹھ گئے۔ اور کسی خادم کو کپڑا بچھانے کا موقع نہ دیا حافظ صاحب کو بھی بیٹھنے کا ارشاد فرمایا یہ سب قرآن مجید کے ادب کی وجہ سے تھا۔ اور قرآن مجید سُنا۔ بلکہ کئی دن تک رات کیوقت انہی حافظ صاحب سے سنتے رہے۔

(۴) طاعون کے کیس اردگرد کے گاؤں میں ہو رہے تھے پنڈوری میں بھی کچھ موتیں ہو گئیں۔ کسی مردہ چوہیا کے

ہو گیا۔ طاعون سے نہیں۔ مگر بیماری کے دنوں میں معمولی بیماری سے بھی اندیشہ ہو جاتا ہے۔ اسی لبراداں والے رستے پر جاتے ہوئے یہ ذکر حضرت مسیح موعود کے حضور بھی آیا۔ فرمایا کسی دوسری جگہ ڈیرہ لگا لیں۔ مولوی محمد علی صاحب نے

اشتباہ پر بورڈنگ والوں کو حکم ہوا۔ کہ باہر کیمپ لگائیں وہاں باغ میں کوئی اور قسم کا اشتباہ ہوا تو کیمپ وہاں سے اٹھا کر آگے لے جایا گیا۔ وہاں ایک لڑکا بچا۔ جھنجھلا کر بے اختیار کہہ دیا۔ حضور اب کہاں جائیں۔ آسمان پر چڑھ جائیں۔ حضور ہنس پڑے اور فرمایا واپس بورڈنگ میں چلے آئیں۔ چنانچہ فوراً سب طلبا وغیرہ واپس بورڈنگ میں آگئے بالکل خیر و عافیت ہو گئی۔

(۵) مقبرہ بہشتی کی طرف جو رستہ آجکل جاتا ہے۔ یہاں پل نہ تھا۔ اور برسات کے موسم میں یہاں جہاں آجکل پل ہے پانی بہہ کر کچھ پانی کھڑا بھی رہتا۔ ایکدفعہ حضور اسی رستے سے ایک نئے پاپوش کے ساتھ پانی میں سے گذر گئے اور خیال تک نہ فرمایا۔ ایک خادم کے عرض کرنے پر پاؤں کی طرف دیکھا اور اچھا فرما کر مسکرا دیئے۔

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب کا جنازہ جب دفن کر کے واپس آئے تو مستری حسن دین صاحب سیالکوٹی نے سکول کے بچوں سے ایک پل بنا دیا تھا۔ اس پل سے گزرتے ہوئے بھی دریافت نہ فرمایا کہ یہ کیا ہے مگر بعد میں ذکر کرنے پر مڑ کر دیکھا۔ اور مستری صاحب پر اظہار خوشنودی فرمایا۔ کہ لوگوں کو ایک زحمت سے بچا لیا۔

## سیر

جن دنوں کا میں ذکر کر رہا ہوں ان دنوں حضور مشرق کی جانب جہاں آجکل دارالانوار کے مکانات ہیں سیر کے لئے تشریف لے جایا کرتے سیر کیا اچھا خاصہ مارچ ہوتا۔ ۸ - ۹ بجے کا وقت۔ دو تین بار حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کو بھی سیر کے لئے ساتھ لے جایا گیا۔ مولانا موصوف پیچھے رہ گئے۔ حضور علم ہونے پر ٹھیر گئے۔ اور اپنا رخ مبارک اسی طرف کر کے جدھر سے حضرت مولوی صاحب آرہے تھے چل پڑے۔ اور ساتھ ملا کر پھر آگے چلے۔ مولانا موصوف پھر پیچھے رہ گئے۔ ان دنوں اس طرف توجہ تھی کہ نواب محمد علی خان صاحب اور مولوی محمد علی صاحب اور حضرت مولانا نورالدین صاحب کو سیر زبردستی کرانا چاہیئے کیونکہ یہ لوگ چلتے پھرتے نہیں۔ اور ان کی صحت خراب ہو رہی ہے مولوی سید محمد احسن صاحب امروہوی البتہ اپنا عصا لئے کمر باندھے پہلے ہی چوک میں تیار رہتے تھے۔

(ب) ایک بار حضور جانب شمال اس رستے پر تشریف لے گئے جو بٹر کو جاتا ہے سردی کا موسم تھا۔ ہلکی ہلکی بوندیاں بھی پڑ رہی تھیں۔ حضرت مفتی صاحب کے پاس ایک چھتری تھی۔ مگر حضور نے اشارہ سے منع فرمایا۔ بڑے بازار کے رستے گئے۔ جب باہر نکلے۔ تو سخت سرد ہوا لگتی تھی۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب نے اپنا گرم دھسہ پیش کیا۔ مگر حضور نے نہیں لیا۔ مولینا حضور کے دائیں جانب دونوں ہاتھوں سے گرم چادر پھیلاتے ہوا کو روکنے کی کوشش میں مصروف

# ڈاکٹر ڈوئی کی موت اور حضرت مسیح موعود کی دعا

(از حضرت ثاقب میرزا خانی)

مخدومی حضرت مولوی نواب خان صاحب ثاقب میرزا خانی الحکم کے معاونین قدیم میں سے ہیں انکے کلام میں ایک خاص اثر اور سلاست ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور بارہا انھوں نے اپنا کلام سنایا اور حضور کی پسندیدگی کا انعام پایا۔ الحکم کے خاص نمبر کے لئے مندرجہ بالا عنوان سے انھوں نے ایک نظم ارسال فرما کر اپنے خادم عرفانی کو شکر گذاری کا موقعہ دیا۔ اللہ تعالےٰ ان کی عمر اور صحت میں برکت دے۔ تا وہ اپنے کلام سے قارئین الحکم کو گرماتے رہیں۔ اور عصر سعادت کی یاد کو تازہ رکھیں۔ (خادم عرفانی)

ڈاکٹر ڈوئی تھا امریکہ میں اک جھوٹا نبی
مفتی صاحب وہ ہمارے صادق الاخلاص دوست
ڈوئی کا اخبار امریکہ منگاتے تھے مدام
احمدؐ والا نشاں کی بزم عالی۔ شام کی
حضرت والا سنا کرتے تھے حالات ڈوئی
سنکے دعویٰ غیرت اسلام کا جوش آگیا
تم اگر سچے نبی ہو آؤ تو میدان میں!
بارگاہ حضرت باری میں ہو کر باریاب
اپنی اپنی التجائیں خدا دونوں کریں
سنکے یہ پیغام اس کے ہوش سب جاتے رہے
کچھ نہ بن آئی مسیحا کے مقابل میں ذلیل
پر وہ اسکی کبر و رعنائی کا خاتمہ آخر ہوا۔
جھوٹ پر جس کی بنا تھی وہ عمارت گر گئی
دولت اسکی لٹ گئی اور اسکی شہرت مٹ گئی
یہ اثر تھا بس دعائے جری اللہ کا
اس سے بڑھ کر اور بھی ظاہر ہوا تھا معجزہ
وہ ڈوئی کا جسم تھا جو بس لحیم و استوار
جھوٹے کو موت آگئی اور نقش اسکا مٹ گیا
ہم نے تصویر اسکی دیکھی چشم عبرتناک سے

بیکہ الیاس ہو آنے کا تھا وہ مدعی
وہ ہمارے احمدیت کے پورانے خاص دوست
اور سنانے کیلئے مجلس میں لاتے تھے مدام
انجمن تھی اک ہمارے مہدی اسلام کی
اُسکے دجالی دعاوی اور خیالات ڈوئی
اور اک چیلنج پورے زور سے لکھا گیا۔
اور نشان راستی دکھلاؤ تو میدان میں
اور سمجھتے ہو دعائیں ہیں تمہاری مستجاب
اور جھوٹے کی تباہی کی دعا دونوں کریں
اُسکے جھوٹے ادعائی جوش سب جاتے رہے
ہو گیا اپنے مریدوں کی جماعت میں ذلیل
اور ریا کا کارخانہ پاش پاش آخر ہوا۔
عزت اسکی زغم میں ناکامیوں کے گھر گئی
حشمت دنیائے دوں سب ہو کے غارت مٹ گئی
یہ کرشمہ تھا دم عیسےٰ عالی جاہ کا
احمدؐ آخر زماں سچے نبی کا معجزہ
کر دیا فالج نے اسکو ناتواں زار و نزار
روبرو سچے کے سب جھوٹے کا نقشہ مٹ گیا
جھوٹ کا بدلہ ملا اسکو خدائے پاک سے

ایسے ایسے معجزے ثاقب بہت دیکھا کئے
لوح دل پر انکے نقش پر صفا لکھا کئے

رہے - یہ بوجہ غلبہ محبت تھا -

(ج) صرف ایک بار حضور کے ساتھ مقبرہ بہشتی کی جانب کالہواں کے رستے پر سیر کے لئے جانے کا شرف حاصل ہوا - اس روز الواح الہدیٰ کا ذکر تھا چونکہ اطلاع لیجا ہیں اور اتفاقیہ طور پر ہوئی - اسلئے نہ میرے پاس کاغذ تھا نہ حضرت مفتی صاحب کے پاس نوٹ بک کچھ پتے سوکھے ہوئے اور ایک ٹھیکرا مفتی صاحب نے جھٹ اٹھا لیا اور اسی پر لکھنا شروع کر دیا۔ خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم بھی ساتھ تھے - پیچھے رہ رہ جاتے تھے - بوجہ موٹاپے اور چلنے پھرنے کی عادت نہ ہونے کے - ایک تجویز کے مطابق آپ کو حضور سے آگے کر دیا گیا - تاکہ مجبوراً چلنا پڑے - خواجہ صاحب بار بار پیچھے دیکھتے تھے - ان کا عاجزانہ انداز اب تک آنکھوں کے سامنے ہے - جب وہ واپس ہوئے تو پسینہ پسینہ تھے - اور دیر تک دفتر بدر میں بے حس و حرکت پڑے رہے -

(د) ہائی سکول کی جانب کئی بار جانے کا اتفاق ہوا - حضور تو ایک پگڈنڈی پر ہو لیتے - مگر مشتاقان جمال برابر چلنے کے لئے تاکہ چہرہ مبارک پر نظر پڑتی رہے - اور بائیں بھی سنی جاسکیں ساتھ ساتھ چلتے - جھاؤ کی بوٹیاں الجھ الجھ جاتیں - جس سے بارہا پاؤں اور پنڈلیوں پر خراشیں آتیں - حضور کچھ تیز چلتے معلوم نہ ہوتے تھے - مگر ہمراہیوں کو دوڑنا پڑتا تھا - آج تو یہ علاقہ تختہ چمن بنا ہوا ہے - اور آبادی و مکانات کی کثرت سے نوجوانوں کو خیال بھی نہیں گذرتا ہوگا کہ یہاں ایک ریتلا ویران میدان تھا - اور بورڈنگ والے اس کنوئیں پر جہاں اب گھما گھمی کا یہ عالم ہے کہ کھوے سے کھوا چھلتا ہے - اکیلے جانے پر شرطیں بدی جاتی تھیں - اور کسی لڑکے کو جانے کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا -

یہ سب حضور کے دم قدم کی برکت ہے کہ جہاں بھی اور جس طرف بھی قدم مبارک پڑے اب آبادی ہی آبادی ہے - کیا مشرق کیا شمال - لوگ خضر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں حالانکہ خضر زمن کئی سال ان میں رہا - اور وہ غفلت کے لحافوں میں پڑے سوتے رہے - اور پہچان نہ سکے میں نے بارہا ریتی چھلے کے میدان میں (جہاں آجکل بائیسکل پر بائیسکل - موٹر پر موٹر اور ٹمٹم پر ٹمٹم گذرتی ہے - اور پیدل چلنے والوں کا تو کچھ شمار ہی نہیں - جہاں بیسیوں دکانیں لگ رہی ہیں) بڑ کے درخت کے نیچے کھڑے ہو کر ریت کے ذروں کو اٹھا کر آنکھوں سے لگایا ہے - کیونکہ ان میں مجھے میدان عرفات کا جلوہ نظر آیا ہے - اور بدوؤں نے بھی کیا گیان حاصل کیا ہوگا - جو مجھے اور میرے جیسے ہزاروں کو پراپت ہوا -

یہ تو اٹھائیس - تیس سال کی باتیں ہیں - اکیس سال پیشتر اس ریتلے میدان میں سکول کی عمارت کی بنیاد پر کھڑے ہو کر ایک نظم کہی تھی - جس کے چار یا پانچ اشعار یہ ہیں :-

دلچسپیوں کا مرکز دار العلوم ہوگا
بیت الفنون اسکا ہر ایک رکن ہوگا
ہم ہونگے یا نہ ہونگے لیکن یقین جانو
دار الامان ہوگا - دار العلوم ہوگا -
دیکھو گے جب اٹھیں گے تبلیغ کے لئے ہم
اور سامنے ہمارے روما و روم ہوگا
رازیؔ سے کچھ جواں ہیں - کچھ ابن تیمیہؔ سے
اک روز جن کے ہاتھوں قمع رسوم ہوگا
پھیلے گا نور دیں کا - عرفان کا لقیں کا
محمود ابن مہدی - بدر النجوم ہوگا

(قبل از خلافت ثانیہ)

جو منظر آج دنیا دیکھ رہی ہے - اسوقت ہر آنکھ نہیں دیکھ سکتی تھی - البتہ ایمان و عرفان کی بصارت سے سب کچھ ممکن تھا - آج وہ رازی اور ابن تیمیہ ہمیں کام کرتے نظر آ رہے ہیں - اور مسیحائے وقت کے انفاس قدسیہ سے دین کا نور پھیلتا جا رہا ہے - آسمان شہرت پر نجوم الہدیٰ کا جھمگھٹا ہے - اور بدر النجوم کی ضیا ہائے نور بیز زمین کے کناروں تک پہنچ کر دلوں کو روشن کر رہی ہیں - فالحمد للہ علیٰ ذلک

## اصلاح و تزکیۂ نفس

مسجد مبارک میں حضور تشریف فرما تھے - کچھ دوائیوں کا ذکر چل پڑا - اثنائے گفتگو میں حضرت مولانا نور الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ دوائی فلاں مرض کے لئے حکمی علاج ہے یہ ایک طبی محاورہ تھا - حضور نے فرمایا مولوی صاحب ہمارا مذہب تو یہ ہے اذا مرضت فھو یشفین - شفا اللہ کے اختیار میں ہے - اور وہی حکمی علاج فرماتا ہے - ہم نے تو بعض اطبا کو اسی مرض میں مرتے دیکھا ہے جس میں ان کو خاص دعویٰ ہو -

(ب) ایک دفعہ کا ذکر ہے مسجد مبارک میں کھڑے کھڑے کسی رئیس کا ذکر آیا کہ وہ سلسلہ کی طرف متوجہ ہیں یا ہو سکتے ہیں - کسی نے عرض کیا حضور ان کو ایک مکتوب لکھدیں - حضرت مولانا نور الدین صاحب نے اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ اسے حضور اپنے دست مبارک سے لکھیں بڑی شخصیت ہے - آپ نے فرمایا مولوی صاحب! خدا کے ماموروں کی نظر میں یہ دنیا دار ایک مرے ہوئے کیڑے سے بڑھ کر وقعت نہیں رکھتے -

(ج) جو ترقیات ہم آجکل دیکھ رہے ہیں - ان میں سے کئی ایسی ہیں جو آج سے بہت پہلے ہمارے مکرم شیخ عرفانی صاحب تجویز کر کے تحریک فرما چکے ہیں از انجملہ یہ کہ قادیان میں میونسپل کمیٹی ہو - پہلے پہلے اس تجویز کا ذکر حضور کے دربار میں ہوا - تو پسند نہیں فرمایا - کیونکہ مخالفت کا زور تھا اور آبادی بڑھ رہی تھی - کئی مکانات بننے والے تھے - یہ کمیٹیاں جو دیہاتی زندگی کو شہری زندگی میں تبدیل کرتی ہیں بعض اوقات تعمیر جدید سے مانع ہو جاتی ہیں - لیکن ایک صاحب نے کہا اسطرح ہندو اور دوسرے مخالفین غلبہ پا کر سدّ راہ ہوں گے - تو فرمایا حضرت مولانا موصوف کو مخاطب کرتے ہوئے کہ یہ لوگ کب تک حکومت کرینگے اور حق کے سدّ راہ ہوں گے - مجھے تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے جاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الیٰ یوم القیمۃ

میں نے عمداً حضرت مولانا کا ذکر کیا تا ظاہر ہو کہ حضور کا رتبہ تقویٰ کس قدر بلند تھا - اور بڑے بڑے پایہ کے نفوس کو حضور کے فیض صحبت کی ضرورت تھی - حضرت مولانا کی شخصیت اور آپ کا مقام بہت ہی بلند ہے -

میرے عزیزو! اس قسم کے بیسیوں واقعات اور سیکڑوں حالات اور ہزاروں کلمات طیبات ہیں - جو رات کی تنہائی میں اسطرح میری چشم تصور کے سامنے اور پردہ گوش پر آتے ہیں جس طرح پر سنیما کے پردے پر تماشائی دیکھتے ہیں

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پر آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

مضمون ختم کرنے سے پہلے میں آپکے منظر وصال کو بھی پیش کرنا چاہتا ہوں :-

## منظر وصال

اخیر میں کچھ اس روز کا بھی ذکر کر دوں جب وہ چودھویں کا چاند ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا - جب حضور دار الامان سے لامعیت حضرت ام المومنین لاہور تشریف لے گئے تو چند روز کے بعد میں نے اخبار بدر میں ایک نظم لکھی جس کا مطلع یہ تھا ؎

صفحۂ ارض پہ ذرّیں ہے نشان لاہور
بڑھ گئی چرخ چہارم سے بھی شان لاہور

مقطع عرض کیا ؎

اپنے اکمل کو بلا لیجئے جلدی حضرت
ہر گھڑی جس کی زباں پر ہے بیان لاہور

حضور نے یہ شعر سنتے ہی فرمایا ان کو بلا لیا جائے - چنانچہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے مجھے لکھا کہ جلدی لاہور پہنچیں کاتب اور دفتر کے ضروری رجسٹر بھی ساتھ لائیں میں لاہور پہنچ گیا اور ہم نے وہیں بدر کا ڈیکلریشن دیدیا - اخبار وہیں سے نکلنے لگا - یوم الوصال کی صبح کو گو علالت کی خبر مل چکی تھی - مگر یہ معلوم نہ تھا کہ یہ صبح ہمارے لئے شام فراق بننے والی ہے - مجھے سماچار پریس میں بھیجدیا گیا - لیکن میں اپنے قلب میں کچھ ایسا اضطراب پاتا کہ نہیں سمجھتا تھا مجھے کیا ہو گیا بجائے ۱۲ بجے کے ۹½ بجے ہی واپس چلا آیا - آتے ہی کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ سراسیمہ پریشان اور حیران پھر رہے ہیں ایک دو سے پوچھا مگر کچھ جواب نہیں ملا - آخر معلوم ہوا کہ حضور اسوقت نازک حالت میں ہیں - تھوڑی دیر بعد انگریز ڈاکٹر آیا - مگر آتے ہی چلا گیا - اور ادھر ایک دوست کو انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے سن لیا - کلیجہ پکڑ کے دل مسوس کر رہ گیا - اتنے میں حضرت مفتی صاحب نیچے اترے اور میرے دریافت کرنے پر مجھے اوپر لے گئے اور عین پلنگ کے سرہانے جا کر کھڑا کر دیا - میں فوراً جھکا - اور پیشانی مبارک کو بوسہ دیا - جس پر ہمیشہ مجھے فخر و ناز رہے گا - اور کہا طبت حیًّا و میتًا - اس کے بعد میں ایسی حالت میں کھڑا رہ گیا کہ نہیں جانتا تھا کہ کیا کروں اور کدھر جاؤں - زمین پیروں تلے سے نکلی جاتی تھی اور حواس جواب دے رہے تھے - حضرت مفتی صاحب نے یہ حالت دیکھی اور مجھے بازو سے پکڑ کر نیچے چھوڑ گئے اور میں اپنے کمرے میں آ کر خوب رو دیا - اس کے بعد اپنے دل میں خاص طمانیت و تسکین پائی - اور دشمن جو کچھ کہنے اور کرنیوالے تھے ان کے جواب اور اپنی آئندہ زندگی کے متعلق بالکل تیار ہو گیا - جنازہ کے ساتھ ہی دار الامان پہونچے اور یہاں بہشتی مقبرہ کے ملحقہ مکان کے صحن میں آخری زیارت کی گئی - اور پھر ہمیشہ کے لئے وہ نورانی چہرا جس کا تیرہ صدیوں سے انتظار تھا - ہماری مشتاق نگاہوں سے نہاں ہو گیا - اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ عبدہ المسیح الموعود

---

حضرت عرفانی کا جذبۂ شوق اور آپ کی اکمل نوازی ہے - جو یہ ذکر الحبیب زبان قلم پر آ گیا - ورنہ ؎

[illegible]

# حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دس قسم کے نشانات

## حضور کے اپنے الفاظ میں

(۱) خدا نے مجھے قرآنی معارف بخشے ہیں۔

(۲) خدا نے مجھے قرآن کی زبان میں اعجاز عطا فرمایا ہے

(۳) خدا نے میری دعاؤں میں سب سے بڑھ کر قوت رکھی ہے۔

(۴) خدا نے مجھے آسمان سے نشان دیئے ہیں۔

(۵) خدا نے مجھے زمین سے نشان دیئے ہیں۔

(۶) خدا نے مجھے وعدہ دے رکھا ہے کہ مجھ سے ہر ایک مقابلہ کرنے والا مغلوب ہو گا۔

(۷) خدا نے مجھے بشارت دی ہے کہ تیرے پیرو ہمیشہ اپنے دلائل صدق میں غالب رہیں گے۔ تا ان پر ثابت ہو کہ جو خدا کی طرف سے آتا ہے۔ وہ کچھ نقصان نہیں اٹھاتا۔

(۸) خدا نے مجھے وعدہ دے رکھا ہے کہ قیامت تک اور جب تک دنیا کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ میں تیری برکات ظاہر کرتا رہوں گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈھینگے۔

(۹) خدا نے آج سے بیس برس پہلے مجھے بشارت دی ہے کہ تیرا انکار کیا جائے گا۔ اور لوگ تجھے قبول نہیں کرینگے۔ پر میں تجھے قبول کروں گا اور بڑے زور آور حملوں سے تیری سچائی ظاہر کرونگا۔

(۱۰) خدا نے مجھے وعدہ دیا ہے کہ تیری برکات کا دوبارہ نور ظاہر کرنے کے لئے تجھ سے اور تیری نسل میں سے ایک شخص کھڑا کیا جائے گا جس میں روح القدس کے برکات پھونکوں گا۔ وہ پاک باطن اور خدا سے نہایت تعلق رکھنے والا ہو گا۔ اور مظہر الحق والعلا ہو گا۔ گویا خدا آسمان سے نازل ہوا۔

### وتلک عشرۃ کاملۃ

دیکھو وہ زمانہ چلا آتا ہے۔ بلکہ قریب ہے کہ خدا اس سلسلہ کی دنیا میں بڑی قبولیت پھیلائے گا۔ اور یہ سلسلہ مشرق اور مغرب شمال اور جنوب میں پھیلے گا۔ اور دنیا میں

**اسلام سے مراد یہی سلسلہ ہو گا۔**

یہ باتیں انسان کی باتیں نہیں

**یہ اس خدا کی وحی ہے**

**جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں**

---

# چل قادیاں کو لے چل

از جناب میر اللہ بخش صاحب تسنیم

الحکم کے خاص نمبر کے لئے مکرمی میر اللہ بخش صاحب تسنیم نے قادیان دارالامان کے اشتیاق میں اپنے جذبات کا اظہار جس رنگ میں کیا ہے وہ ہر احمدی کے قلب میں ایک پرشوق تحریک کا محرک ہے۔ ضرورت ہے کہ احمدی شعراء اس روح کو پیدا کرنے میں اپنی خداداد قوت سے کام لیں ٭ (ایڈیٹر)



(۱)

اے نیک دل شتربان ٭ چل قادیاں کو لیچل
میں خستہ تن بچارا
ہوں منزلوں کا مارا
دونگا تجھے دعائیں
بہر نبی خدارا
مجھ ناتواں کو لے چل
اے نیک دل شتربان ٭ چل قادیاں کو لیچل

(۲)

اس پاک سرزمیں پر
اس ارض دل نشیں پر
مہدی کی خوابگاہ ہے
جس خطۂ حسیں پر
ہاں اس جناں کو لیچل
اے نیک دل شتربان ٭ چل قادیاں کو لے چل

(۳)

یوں بے حضور رہ کر
آقا سے دور رہ کر
کیا لطف زندگی کا
محروم نور رہ کر
جاؤں کہاں کو لے چل
اے نیک دل شتربان ٭ چل قادیاں کو لیچل

(۴)

پالان رکھ شتر پر
تاروں کی چھاؤں چل کر
منزل کو ہم بھی جالیں
پہنچے ہیں دوست اکثر
چل ناتواں کو لے چل
اے نیکدل شتربان چل قادیاں کو لیچل

(۵)

دیکھوں وہاں نمونے
اصحاب مصطفےٰ کے
میں بھی فلاح پاؤں
شاید کسی کے صدقے
مجھ خستہ جاں کو لے چل
اے نیکدل شتربان ٭ چل قادیاں کو لیچل

(۶)

دید حضور کر لوں
کسب سرور کر لوں
افسردہ دل کی کھیتی
شاداب نور کر لوں
پژمردہ جاں کو لے چل
اے نیکدل شتربان ٭ چل قادیاں کو لے چل

(۷)

وحدت کی بانسری پر
چھیڑوں وہ نغمۂ تر
ہو غرق موج عرفاں
تیرا شتر بھی سن کر
چل، نغمہ خواں کو لیچل
اے نیکدل شتربان ٭ چل قادیاں کو لیچل

(۸)

ہوں میں تیرے حوالے
رہنے دے یا اٹھا لے
محروم رہ نہ جاؤں
تسنیم کی دعا لے
دارالاماں کو لے چل
اے نیک دل شتربان
چل قادیاں کو لے چل

# حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیرت دینی کا ایک منظر

من کہ ہستم گشتۂ آنِ مسیحؑ
تا تو دانی سطوتِ دینِ رسول

تا تو دانی روز آیات خدا است
لیکھرام آں دشمن صدق و صواب

منکرِ ہر فضل و احسان خدا
کینہ اندر سینہ اش بہرِ نبیؐ

مصطفےٰ را روز و شب دشنام داد
نزدِ احمد روزے افتادش گذر

آں ہمہ سر تا بپش کافور شد
ابن مریم روئے خود از وے بتافت

عشق پیغمبرؐ کہ در دل کاشتے
لیکھرام از سوزِ جانش بے خبر

پشت خم کرد و دو دستش جفت کرد
التفاتے باز چوں احمد نہ کرد

اندکے پیچید بر خود لیکھرام
ابن مریم باز سوے او ندید

خادماں گفتند اے والا مقام
اسوۂ تو اسوۂ خیر البشرؐ

یک جہاں را فیض تو آبِ حیات
مرغکے از تشنگی بیتاب شد

سرکشے پیشِ تو سر خم کردہ است
بے نیازے گشتہ مجبورِ نیاز

ابن مریم آہِ سرد از دل کشید
گفت من ہستم غلامِ مصطفےٰ

سینۂ من روشن از انوارِ او
ہست او آقائے من مولائے من

لیکھرام او را دہد دشنام ہا
باز از من دارد امیدِ خطاب؟

غیرتِ دینِ نبیؐ این است این
اے مسلمانانِ خدا را بنگرید

از مقامِ ابن مریم بے خبر
برگِ ایماں ناقصاں انداختند

با تو گویم سترے از شانِ مسیحؑ
تا تو دانی رمزِ آئینِ رسول

تا تو دانی او بروزِ مصطفےٰ است
نزدِ او ہر کارِ بد کارِ ثواب

پیش او افسانہ روزِ جزا
چشم او راز حقتے مہرِ نبیؐ

فکرِ او جز فتنہ ہا چیزے نزاد
در حضورش آمد و خم کرد سر

از سر او کبر و نخوت دور شد
در دلِ خود بہرِ او لطفے نیافت

حُبِّ دیگر در دلش نگذاشتے
رو بروئیش آمدہ بارِ دگر

بے نیازی را لباطش در نورد
لالۂ رخسار او شد برگ زرد

باز پیشش آمد و کردہ سلام
از رُخِ آں آریہ حسرت چکید

اے امامِ ہند و چین و روم و شام
زینتِ بامِ تو خورشید و قمر

بختہ تر از تو نہ در کائنات
پیشِ تو در جستجوئے آب شد

کبر و نخوت را ز سر کم کردہ است
بانگاہِ لطف ز او را نواز

حرفِ شکوہ بر زبانِ او رسید
روز و شب نوشم ز جامِ مصطفےٰ

جانِ من وابستۂ اسرارِ او
اے فدائیش مامک و بابائے من

ہدیۂ من میکند اکرام ہا؟
اے مبادا در دہانِ او لعاب

رمزِ آئینِ نبی این است این
ایں چنیں غیرت کجا در بکرو زید

از پے تکفیر او بستہ کمر
بدنصیباں نقدِ دیں در باختند

(شبنم سرحدی بی۔اے)

## حضرت مسیح موعود کا خطاب غیروں سے

اے نادانو! اور اندھو! مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا جو میں ضائع ہو جاؤں گا۔ کس سچے وفادار کو خدا نے ذلت کے ساتھ ہلاک کر دیا جو مجھے ہلاک کرے گا۔ یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سنو کہ میری روح ہلاک ہونے والی روح نہیں۔ اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں۔ مجھے وہ صدق بخشا گیا ہے۔ جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں۔ میں کسی کی پروا نہیں رکھتا۔ میں اکیلا تھا۔ اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں۔ کیا خدا مجھے چھوڑ دے گا۔ کبھی نہیں چھوڑیگا۔ کیا وہ مجھے ضائع کر دے گا۔ کبھی نہیں ضائع کرے گا۔ دشمن ذلیل ہونگے اور حاسد شرمندہ۔ خدا اپنے بندے کو ہر میدان میں فتح دے گا۔ میں اسکے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے۔ کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی۔ مجھے اس کے عزت و جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اس سے زیادہ کوئی چیز پیاری نہیں کہ اس کے دین کی عظمت ظاہر ہو۔ اس کا جلال چمکے اور اس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلاء سے اس کے فضل کیساتھ مجھے خوف نہیں اگرچہ ایک ابتلاء نہیں کروڑ ابتلاء ہو۔ ابتلاؤں کے میدان اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے ؎

من نہ آنستم کہ روزِ جنگ بینی پشتِ من
آں منم کاندر میانِ خاک و خوں بینی سرے

## حضرت مسیح موعودؑ کا خطاب اپنوں سے

پس اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا تو مجھ سے الگ ہو جائے۔ مجھے کیا معلوم ہے کہ ابھی کون کون سے ہولناک جنگل اور خار بادیہ در پیش ہیں۔ جن کو میں نے طے کرنا ہے۔ پس جن لوگوں کے نازک پیر ہیں۔ وہ کیوں میرے ساتھ مصیبت اٹھاتے ہیں۔ جو میرے ہیں وہ مجھ سے جدا نہیں ہو سکتے۔ نہ مصیبت سے۔ نہ لوگوں کے سب و شتم سے۔ نہ آسمانی ابتلاؤں اور آزمائشوں سے اور جو میرے نہیں وہ عبث دوستی کا دم مارتے ہیں۔ کیونکہ وہ عنقریب الگ کئے جائینگے اور ان کا پچھلا حال پہلے سے بدتر ہوگا۔ کیا ہم زلزلوں سے ڈر سکتے ہیں۔ کیا ہم خدا تعالیٰ کی راہ میں ابتلاؤں سے خوفناک ہو جائیں گے۔ کیا ہم اپنے پیارے خدا کی کسی آزمائش سے جدا ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں ہو سکتے۔ مگر محض اس کے فضل اور رحمت سے۔

پس جو جدا ہونے والے ہیں جدا ہو جائیں۔ ان کو وداع کا سلام۔ لیکن یاد رکھیں کہ بدظنی اور قطع تعلق کے بعد اگر پھر کسی وقت جھکیں تو اس کے جھکنے کی عنداللہ ایسی عزت نہیں ہوگی جو وفادار لوگ عزت پاتے ہیں کیونکہ بدظنی اور غداری کا داغ بہت ہی بڑا داغ ہے ؎

اکنوں ہزار عذر بیارے گناہ را
مرشوئے کردہ را نبود زیب دخترے

# ترکِ احمدی

یعنی

## حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام کی خود نوشت لائف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی سوانح عمری مختصر طور پر آپ لکھی ہے۔ جس کو اس نمبر میں درج کردیا جاتا ہے۔ واقعات کی ترتیب یا تفصیل اس کا مقصد نہیں بلکہ عام واقفیت اس بایوگرافی کا مدعا ہے۔ اس لئے اُمید ہے کہ اس کو خاص دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ (عرفانی)

اب میری سوانح اس طرح پر ہے کہ میرا نام غلام احمدؐ میرے والد کا نام غلام مرتضیٰ اور دادا صاحب کا نام عطا محمد۔ اور پردادا کا نام گل محمد تھا۔ اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ہماری قوم مغل برلاس ہے۔ اور میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جو اب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے۔ اور ان کے ساتھ قریباً دو سو آدمی ان کے توابع اور خدام اور اہل و عیال میں سے تھے۔ اور وہ ایک معزز رئیس کی حیثیت سے یہاں داخل ہوئے۔ اور اس قصبہ کی جگہ میں جو اس وقت ایک جنگل پڑا ہوا تھا۔ جو لاہور سے تخمیناً بفاصلہ پچاس کوس بگوشہ شمالی مشرق واقع ہے فروکش ہوگئے۔ جس کو اُنھوں نے آباد کرکے اس کا نام اسلام پور رکھا۔ جو پیچھے سے اسلام پور قاضی ماجھی کے نام سے مشہور ہوا۔ اور رفتہ رفتہ اسلام پور کا لفظ لوگوں کو بھول گیا۔ اور قاضی ماجھی کی جگہ قاضی رہا۔ اور پھر آخر قادی بنا۔ اور پھر اس سے بگڑ کر قادیان بن گیا۔ اور قاضی ماجھی کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ یہ علاقہ جس کا طولانی حصہ قریباً ۶۰ کوس ہے۔ ان دنوں میں سب کا سب ماجھہ کہلاتا تھا۔ کیونکہ اس ملک میں بھینسیں بکثرت ہوتی تھیں۔ اور ماجھہ زبان ہندی میں بھینس کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ ہمارے بزرگوں کو علاوہ دیہات جاگیرداری کے اس تمام علاقہ کی حکومت بھی ملی تھی۔ اس لئے قاضی کے نام سے مشہور ہوئے مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے ہمارے بزرگ سمرقند سے اس ملک میں آئے۔ مگر کاغذات سے یہ پتہ ملتا ہے کہ اس ملک میں بھی وہ معزز امراء اور خاندان والیٔ ملک میں سے تھے۔ اور انھیں کسی قومی خصومت اور تفرقہ کی وجہ سے اس ملک کو چھوڑنا پڑا تھا۔ پھر اس ملک میں آکر بادشاہ وقت کی طرف سے بہت سے دیہات بطور جاگیر ان کو ملے۔ چنانچہ اس نواح میں مستقل ریاست ان کی ہوگئی

سکھوں کے ابتدائی زمانہ میں میرے پردادا صاحب میرزا گل محمد ایک نامور اور مشہور رئیس تھے۔ جن کے پاس اس وقت ۸۵ گاؤں تھے اور بہت سے گاؤں سکھوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ تاہم ان کی جواں مردی اور فیاضی کی یہ حالت تھی کہ اس قدر قلیل میں سے بھی کئی گاؤں اُنھوں نے مروت کے طور پر بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کو دے دیئے تھے۔ جو اب تک ان کے پاس ہیں۔

غرض وہ اس طوائف الملوکی کے زمانہ میں اپنے نواح میں ایک خود مختار رئیس تھے۔ ہمیشہ قریب پانسو آدمی کے یعنی کبھی کم اور کبھی زیادہ ان کے دستر خوان پر روٹی کھاتے تھے۔ اور ایک سو کے قریب علماء صلحا اور حافظ قرآن شریف ان کے پاس رہتے تھے۔ جن کے کافی وظیفے مقرر تھے۔ اور ان کے دربار میں اکثر قال اللہ و قال الرسول کا بہت ذکر ہوتا تھا۔ اور تمام ملازمین اور متعلقین میں سے کوئی ایسا نہ تھا۔ جو تارک نماز ہو۔ یہاں تک کہ چکی پیسنے والی عورتیں بھی پنجوقتہ نماز اور تہجد پڑھتی تھیں۔ اور گرد و نواح کے معزز مسلمان جو اکثر افغان تھے قادیان کو جو اس وقت اسلام پور کہلاتا تھا۔ مکہ کہتے تھے۔ کیونکہ اس پُر آشوب زمانہ میں ہر ایک مسلمان کے لئے یہ قصبہ مبارک پناہ کی جگہ تھی۔ اور دوسری اکثر جگہ میں کفر اور فسق نظر آتا تھا۔ اور قادیان میں اسلام اور تقویٰ اور طہارت اور عدالت کی خوشبو آتی تھی۔ میں نے خود اس زمانہ سے قریب زمانہ پانیوالوں کو دیکھا ہے کہ وہ اس قدر قادیان کی عمدہ حالت بیان کرتے تھے کہ گویا اس زمانہ میں ایک باغ تھا جس میں حامیان دین اور صلحاء و علماء اور نہایت شریف جواں مرد آدمیوں کے صدہا پودے پائے جاتے تھے۔ اور اس نواح میں یہ واقعات نہایت مشہور ہیں کہ مرزا گل محمد صاحب مرحوم مشائخ وقت کے بزرگ لوگوں میں سے اور صاحب خوارق اور کرامات تھے جن کی صحبت میں رہنے کے لئے بہت سے اہل اللہ اور صلحاء اور فضلاء قادیان میں جمع ہو گئے تھے۔ اور عجیب تر یہ کہ کئی کرامات ان کی ایسی مشہور ہیں۔ جن کی نسبت ایک گروہ کثیر مخالفان دین کا بھی گواہی دیتا رہا ہے۔ غرض وہ علاوہ ریاست اور امارت کے اپنی دیانت اور تقویٰ اور مردانہ ہمت اور اولوالعزمی اور حمایت دین اور ہمدردی مسلمانوں کی کی صفت میں نہایت مشہور رہتے۔ اور ان کی مجلس میں بیٹھنے والے سب کے سب متقی اور نیک چلن اور اسلامی غیرت رکھنے والے اور فسق و فجور سے دور رہنے والے اور بہادر اور بارعب آدمی تھے۔ چنانچہ میں نے کئی دفعہ اپنے والد صاحب مرحوم سے سنا ہے کہ اس زمانہ میں ایک دفعہ ایک وزیر سلطنت مغلیہ کا قادیان میں آیا جو غیاث الدولہ کے نام سے مشہور تھا۔ اور اس نے مرزا گل محمد صاحب کے مدبرانہ طریق اور بیدار مغزی اور ہمت اور اولوالعزمی اور استقلال عقل اور فہم اور حمایت اسلام اور جوش نصرت دین اور تقویٰ اور طہارت اور دربار کے وقار کو دیکھا۔ اور ان کے مختصر دربار کو نہایت متین اور عقلمند اور نیک چلن اور بہادر مردوں سے پر پایا۔ تب وہ چشم پُر آب ہو کر بولا کہ اگر مجھے پہلے یہ خبر ہوتی کہ اس جنگل میں خاندان مغلیہ میں سے ایسا وجود موجود ہے۔ جس میں صفات ضروریہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں۔ تو میں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کرتا کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بدوضعی ملوک چغتائیہ میں اسی کو تخت دہلی پر بٹھایا جائے۔

اس جگہ اس بات کا لکھنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ میرے دادا صاحب یعنی مرزا گل محمدؐ نے ہچکی کی بیماری سے جس کے ساتھ اور عوارض بھی تھے وفات پائی تھی۔ بیماری کے غلبہ کیوقت اطباء نے اتفاق کرکے کہا کہ اس مرض کے لئے اگر چند روز شراب کو استعمال کرایا جاوے تو غالباً اس سے فائدہ ہوگا۔ مگر جرأت نہیں رکھتے تھے کہ ان کی خدمت میں عرض کریں۔ آخر بعض نے ان میں سے ایک نرم تقریر میں عرض کر دیا۔ تب اُنھوں نے کہا کہ اگر خداتعالےٰ کو شفا دینا منظور ہو تو اس کی پیدا کردہ اور بہت سی دوائیں ہیں میں نہیں چاہتا کہ اس پلید چیز کو استعمال کروں۔ میں خدا کی قضا و قدر پر راضی ہوں۔ آخر چند روز کے بعد اسی مرض میں انتقال فرمایا۔ موت تو مقدر تھی مگر ان کا یہ طریق تقویٰ ہمیشہ کے لئے یادگار رہا۔ کہ موت کو شراب پر اختیار کرلیا موت سے بچنے کے لئے انسان کیا کچھ نہیں کرتا۔ لیکن اُنھوں نے معصیت کرنے سے موت کو بہتر سمجھا۔

افسوس ان بعض نوابوں امیروں اور رئیسوں کی حالت پر کہ اس چند روزہ زندگی میں اپنے خدا اور اس کے احکام بکلی لاپروا ہو کر اور خداتعالےٰ سے سارے علاقے توڑ کر دل کھول کر ارتکاب کرتے ہیں۔ اور شراب کو پانی کی طرح پیتے ہیں اور اس طرح اپنی زندگی کو نہایت پلید اور ناپاک کرکے عمر طبعی سے محروم رہتے ہیں۔ اور بعض ہولناک عوارض میں مبتلا ہو کر جلد تر مر جاتے ہیں۔ اور آئندہ نسلوں کے لئے نہایت خبیث نمونہ چھوڑ جاتے ہیں۔

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب میرے دادا صاحب فوت ہوئے تو بجائے ان کے میرے دادا صاحب یعنی مرزا عطا محمد فرزند رشید ان کے گدی نشین ہوگئے۔ ان کے وقت میں خداتعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے۔ دادا صاحب مرحوم نے اپنی ریاست کی حفاظت کے لئے بہت تدبیریں کیں۔ مگر جبکہ قضا و قدر ان کے ارادے کے موافق نہ تھی۔ اس لئے ناکام رہے اور کوئی تدبیر پیش نہ گئی اور روز بروز سکھ لوگ ہماری ریاست کے دیہات پر قبضہ کرتے گئے۔ یہاں تک کہ دادا صاحب مرحوم کے پاس صرف ایک

---

ے عرصہ سترہ یا اٹھارہ برس کا ہوا کہ خداتعالیٰ کے متواتر الہامات سے مجھے معلوم ہوا کہ میرے باپ دادے فارسی الاصل ہیں۔ وہ تمام الہامات میں نے ان ہی دنوں میں براہین احمدیہ کے حصہ دوم میں درج کر دیئے تھے جن میں میری نسبت یہ الہام ہے خذوا التوحید التوحید یا ابناء الفارس یعنی توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو۔ پھر دوسرا الہام میری نسبت یہ ہے لو کان الایمان معلقا بالثریا لناله رجل من فارس یعنی اگر ایمان ثریا سے معلق ہوتا تو یہ مرد جو فارسی الاصل ہے وہیں جا کر اس کو لے لیتا۔ اور پھر تیسرا الہام میری نسبت یہ ہے ان الذین کفروا رد علیھم رجل من فارس شکر اللہ سعیہ یعنی جو لوگ کافر ہوئے۔ اس مرد نے جو فارسی الاصل ہے ان کے مذہب کو رد کر دیا۔ خدا اس کی کوشش کا شکر گذار ہے۔ یہ تمام الہامات ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے آباء اولین فارسی تھے والحق ما اظہر اللہ ۔ منہ

---

ع ہمارا شجرہ اس طرح پر ہے میرا نام غلام احمد ابن مرزا غلام مرتضیٰ صاحب ابن مرزا عطا محمد صاحب ابن مرزا گل محمد صاحب ابن مرزا فیض محمد صاحب ابن مرزا قائم صاحب ابن مرزا محمد اسلم صاحب

قادیان رہ گئی۔ اور قادیان اسوقت ایک قلعہ کی صورت پر قصبہ تھا اور اس کے چار برج تھے۔ اور برجوں میں فوج کے آدمی رہتے تھے اور چند توپیں تھیں۔ اور فصیل بائیس فٹ کے قریب اونچی اور اسقدر چوڑی تھی کہ تین چھکڑے آسانی سے ایک دوسرے کے مقابل جا سکتے تھے۔ اور ایسا ہوا کہ ایک گروہ سکھوں کا جو رام گڑھیہ کہلاتا تھا۔ اول فریب کی راہ سے اجازت لے کر قادیان میں داخل ہوا۔ اور پھر قبضہ کر لیا۔ اسوقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی۔ اور اسرائیلی قوم کی طرح وہ اسیروں کی مانند پکڑے گئے۔ اور ان کی مال و متاع سب لوٹی گئی۔ کئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کئے گئے اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا۔ اور بعض مسجدیں جن میں سے اب تک ایک سکھوں کے قبضہ میں ہے۔ دھرم سالہ یعنی سکھوں کا معبد بنا یا گیا۔ ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلایا گیا۔ جس میں پانچسو نسخہ قرآن شریف کا قلمی تھا۔ جو نہایت بے ادبی سے جلایا گیا۔ اور آخر سکھوں نے کچھ سوچ کر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرد و زن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے۔ اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزیں ہوئے تھوڑے عرصہ کے بعد انہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دی گئی۔ پھر رنجیت سنگھ کے آخری زمانہ میں میرے والد صاحب مرحوم مرزا غلام مرتضٰے قادیان واپس آئے اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب مرحوم کے دیہات میں سے پانچ گاؤں واپس ملے۔ کیونکہ اس عرصہ میں رنجیت سنگھ نے دوسری اکثر چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو دبا کر ایک بڑی ریاست بنائی تھی۔ سو ہمارے تمام دیہات بھی رنجیت سنگھ کے قبضہ میں آگئے تھے۔ اور لاہور سے پشاور تک اور دوسری طرف لدھیانہ تک اس کی ملک داری کا سلسلہ پھیل گیا تھا۔ غرض ہماری پرانی ریاست خاک میں ملکر آخر پانچ گاؤں ہاتھ میں رہ گئے۔ پھر بھی بلحاظ پرانے خاندان کے میرے والد صاحب مرحوم غلام مرتضٰی اس نواح میں ایک مشہور رئیس تھے گورنر جنرل کے دربار میں بزمرہ کرسی نشین رئیسوں کے ہمیشہ بلائے جاتے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے سرکار انگریزی کی خدمت گذاری میں پچاس گھوڑے معہ پچاس سواروں کے اپنی گرہ سے خرید کر دیئے تھے۔ اور آئندہ گورنمنٹ کو اس قسم کی مدد کا عند الضرورت وعدہ بھی دیا۔ اور سرکار انگریزی کے حکام سے بجلدوئے خدمات عمدہ عمدہ چٹھیات خوشنودی مزاج ان کو ملی تھیں۔ چنانچہ سر لیپل گریفن صاحب نے بھی اپنی کتاب تاریخ رئیسان پنجاب میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ غرض وہ حکام کی نظر میں بہت ہردلعزیز تھے۔ اور بسا اوقات ان کی دلجوئی کے لئے حکام وقت ڈپٹی کمشنر ان کے مکان پر آکر ان کی ملاقات کرتے تھے۔ یہ مختصر میرے خاندان کا حال ہے۔ میں ضروری نہیں دیکھتا کہ اسکو بہت طول دوں۔

اب میری ذاتی سوانح یہ ہیں کہ میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی اور میں ۱۸۵۷ء میں سولہ برس یا سترہویں برس میں تھا۔ اور ابھی ریش اور بروت کا آغاز نہیں تھا۔ میری پیدائش سے پہلے میرے والد صاحب نے بڑے بڑے مصائب دیکھے۔ ایک دفعہ ہندوستان کا پاپیادہ سیر بھی کیا۔ لیکن میری پیدائش کے دنوں میں ان کی تنگی کا زمانہ فراخی کی طرف بدل گیا تھا اور یہ خدا تعالیٰ کی رحمت ہے کہ میں نے اُن کے زمانہ سے کچھ بھی حصہ نہیں لیا۔ اور نہ دوسرے بزرگوں کی ریاست اور ملک داری سے حصہ پایا۔ بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح جن کے ہاتھ میں صرف نام کی شاہزادگی بوجہ داؤد کی نسل سے ہونے کی تھی۔ اور ملکداری کے اسباب سب کچھ کھو بیٹھے تھے۔ ایسا ہی میرے لئے بگفتن یہ بات حاصل ہے کہ ایسے رئیسوں اور ملکداروں کی اولاد میں سے ہوں۔ شاید یہ اسلئے ہوا کہ یہ مشابہت بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ساتھ پوری ہو۔ اگرچہ میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرح یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میرے لئے سر رکھنے کی جگہ نہیں۔ مگر تاہم میں جانتا ہوں کہ وہ تمام صف ہمارے اجداد کی ریاست اور ملک داری میں لپیٹی گئی۔ اور وہ سلسلہ ہمارے وقت میں آکر بالکل ختم ہو گیا اور ایسا ہوا تا کہ خدا تعالیٰ نیا سلسلہ قائم کرے۔ جیسا کہ براہین احمدیہ میں اس سبحانہ کی طرف سے الہام ہے سبحان اللہ تبارک وتعالٰی زاد مجدک ینقطع اٰباءک ویبدء منک یعنی خدا جو بہت برکتوں والا اور بلند اور پاک ہے اس نے تیری بزرگی کو تیرے خاندان کی نسبت زیادہ کیا اب سے تیرے آباء کا ذکر قطع کیا جائے گا۔ اور خدا تجھ سے شروع کرے گا۔ اور ایسا ہی اس نے مجھے بشارت دی کہ میں تجھے برکت دوں گا۔ یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے "

پھر میں پہلے سلسلہ کی طرف عود کر کے لکھتا ہوں کہ بچپن کے زمانہ میں میری تعلیم اسطرح پر ہوئی کہ جب میں چھ سات سال کا تھا۔ تو ایک فارسی خواں معلم میرے لئے نوکر رکھا گیا۔ جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں۔ اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر قریب دس کے ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لئے مقرر ہوئے جن کا نام فضل احمد تھا۔ میں خیال کرتا ہوں کہ چونکہ میری تعلیم خدا تعالےٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی۔ اس لئے ان استادوں کے نام کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔ مولوی صاحب موصوف جو ایک دیندار اور بزرگ آدمی تھے۔ وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے۔ اور میں نے صرف کی کتابیں اور کچھ قواعد نحو ان سے پڑھے۔ اور بعد اس کے جب سترہ یا اٹھارہ سال کا ہوا۔ تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان میں پڑھانے کیلئے مقرر کیا تھا۔ اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہاں تک خدا تعالےٰ نے چاہا حاصل کیا۔ اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔ اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے۔ اور ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ گویا میں دنیا میں نہ تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے کہتے تھے اور ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے۔ اور نیز ان کا یہ بھی مطلب تھا کہ میں اس شغل سے الگ ہو کر ان کے غموم ہموم میں شریک ہو جاؤں آخر ایسا ہی ہوا۔ میرے والد صاحب اپنے بعض آباؤ اجداد کے دیہات دوبارہ لینے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے انہوں نے ان ہی مقدمات میں مجھے لگایا۔ اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضائع گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری کے امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا۔ اس لئے اکثر والد صاحب کی ناراضگی کا نشانہ رہتا رہا۔ ان کی ہمدردی اور مہربانی میرے پر نہایت درجہ تھی۔ مگر وہ چاہتے تھے کہ دنیاداروں کی طرح مجھے رو بہ خلق بنا دیں۔ اور میری طبیعت اس طریق سے سخت بیزار تھی۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کمشنر نے قادیان میں آنا چاہا۔ میرے والد صاحب نے بارہا مجھ کو کہا کہ ان کی پیشوائی کے لئے دو تین کوس جانا چاہیئے۔ مگر میری طبیعت نے نہایت کراہت کی۔ اور میں بیمار بھی تھا۔ اس لئے نہ جا سکا۔ پس یہ امر بھی ان کی ناراضگی کا موجب ہوا۔ اور وہ چاہتے تھے کہ میں دنیوی امور میں غرق رہوں۔ جو مجھ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کے لئے بلکہ محض ثواب و اطاعت حاصل کرنے کے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا تھا۔ اور ان کے لئے دعا میں مشغول رہتا تھا۔ اور وہ مجھے دلی یقین سے برّا بالوالدین جانتے تھے۔ اور بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ میں صرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ورنہ میں جانتا ہوں کہ جس طرف اس کی توجہ ہے یعنی دین کی طرف صحیح اور سچی بات یہی ہے۔ ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں "۔ ایسا ہی ان کے زیر سایہ ہونے کے ایام میں چند سال تک میری عمر کراہت طبع کے ساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی۔ آخر چونکہ میرا جدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا۔ اس لئے ان کے حکم سے جو عین میری منشا کے موافق تھا میں نے استعفٰی دیکر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی سبکدوش کر دیا۔ اور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوا کہ اکثر نوکری پیشہ نہایت گندی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں سے بہت کم ایسے ہونگے۔ جو پورے طور پر صوم و صلٰوۃ کے پابند ہوں اور جو ان ناجائز حظوظ سے اپنے تئیں بچا سکیں۔ جو ابتلا کے طور پر ان کو پیش آتے رہتے ہیں۔ میں ہمیشہ ان کا منہ دیکھ کر حیران رہا اور اکثر کو ایسا پایا کہ ان کی تمام دلی خواہش مال و متاع تک خواہ حلال کی وجہ سے ہو یا حرام کے ذریعہ سے محدود تھیں اور بہتوں کی دن رات کی کوششیں صرف اسی مختصر زندگی کی دنیوی ترقی کے لئے مصروف پائیں۔ جس نے ملازمت پیشہ لوگوں کی جماعت میں بہت کم ایسے لوگ پائے۔ جو محض خدا تعالیٰ کی عظمت کو یاد کر کے اخلاق فاضلہ حلم اور کرم اور عفت اور تواضع اور انکسار اور خاکساری۔ اور ہمدردی مخلوق اور پاک باطنی۔ اور اکل حلال۔ اور صدق مقال اور پرہیزگاری کی صفت اپنے اندر رکھتے ہوں بلکہ بہتوں کو تکبر بدچلنی اور لاپروائی دین اور طرح طرح کے اخلاق رذیلہ میں شیطان کا بھائی پایا۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ ہر ایک قسم اور ہر ایک نوع انسان کا مجھے تجربہ حاصل ہو۔ اسلئے ہر ایک صحبت میں مجھے رہنا پڑا۔ اور بقول صاحب مثنوی رومی وہ تمام ایام سخت کراہت اور درد کے ساتھ میں نے بسر کئے۔ ؎

من بہر جمعیتے نالاں شدم ۔ جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم

ہر کسے از ظن خود شد یار من

از درون من نجست اسرار من

---

۱۸۴۰ء میں توام پیدا ہوا تھا۔ ایک لڑکی جو میرے ساتھ تھی۔ وہ چند دنوں کے بعد فوت ہو گئی تھی۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اسطرح پر خدا تعالیٰ نے انثیت کا مادہ مجھ سے بکلی الگ کر دیا۔ منہ

اور جب میں حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں پھر حاضر ہوا تو بدستور ان ہی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہو گیا - مگر اکثر حصہ قرآن شریف کے تدبر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا - اور بسا اوقات حضرت والد صاحب کو وہ کتابیں سنایا بھی کرتا تھا - اور میرے والد صاحب اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اکثر مغموم و مہموم رہتے تھے — انھوں نے پیروی مقدمات پر ستر ہزار کے قریب روپیہ صرف کیا تھا جس کا انجام آخر ناکامی تھی - کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات مدت سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے - اور ان کا واپس آنا ایک خیال خام تھا - اسی نامرادی کی وجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم ایک نہایت عمیق گرداب غم اور حزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے - مجھے ان حالات کو دیکھ کر ایک پاک تبدیلی پیدا کرنے کا موقعہ حاصل ہوتا تھا - کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے اس بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا - جو دنیوی کدورتوں سے پاک ہے اگرچہ حضرت والد صاحب کے چند دیہات ملکیت باقی تھے - اور سرکار انگریزی کی طرف سے کچھ انعام سالانہ مقرر تھا - اور ایام ملازمت کی پنشن بھی تھی - مگر جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے اس لحاظ سے وہ سب کچھ ہیچ تھا - اسی وجہ سے وہ ہمیشہ مغموم و محزون رہتے تھے - اور بارہا کہتے تھے کہ جس قدر میں نے اس پلید دنیا کے لئے سعی کی ہے اگر وہ سعی دین کے لئے کرتا تو شاید آج قطب وقت یا غوث وقت ہوتا - اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

عمر بگذشت و نماند ست جز ایامے چند
بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند

اور میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ وہ ایک اپنا بنایا ہوا شعر رقت کے ساتھ پڑھتے تھے اور وہ یہ ہے ؎

از در تو اے کس ہر بیکسے
نیست امیدم کہ روم ناامید

اور کبھی درد دل سے یہ شعر اپنا پڑھا کرتے تھے ؎

باب دیدہ عشاق و خاکپائے کسے
مرا دلے است کہ در خوں تپد بجائے کسے

حضرت عزّ و جلشانہ کے سامنے خالی ہاتھ جانے کی حسرت روز بروز آخری عمر میں ان پر غلبہ کرتی گئی اور بارہا افسوس کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ دنیا کے بیہودہ خرخشوں کے لئے میں نے اپنی عمر ناحق ضائع کر دی - ایک مرتبہ حضرت والد صاحب نے یہ خواب بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ایک بڑے شان کے ساتھ میرے مکان کی طرف چلے آتے ہیں - جیسا کہ ایک عظیم الشان بادشاہ آتا ہے - تو میں اسوقت آپ کی طرف پیشوائی کے لئے دوڑا - جب قریب پہنچا تو میں نے سوچا کہ کچھ نذر پیش کرنی چاہیئے - یہ کہہ کر جیب میں ہاتھ ڈالا جس میں صرف ایک روپیہ تھا - اور جب غور سے دیکھا تو وہ بھی کھوٹا ہے - یہ دیکھ کر میں چشم پر آب ہو گیا اور پھر آنکھ کھل گئی" پھر آپ ہی تعبیر فرمانے لگے کہ دنیاداری کے ساتھ خدا اور رسول کی محبت ایک کھوٹے روپے کی طرح ہے - اور فرمایا کرتے تھے کہ میری طرح میرے والد صاحب کا بھی آخر حصہ زندگی کا مصیبت اور غم و حزن میں ہی گذرا - اور جہاں ہاتھ ڈالا آخر ناکامی تھی - اور اپنے والد صاحب یعنی میرے دادا صاحب کا ایک شعر بھی سنایا کرتے تھے - جس کا ایک مصرعہ راقم کو بھول گیا ہے - اور دوسرا یہ ہے کہ ع

کہ جب تدبیر کرتا ہوں تو پھر تقدیر ہنستی ہے -

اور یہ غم اور درد ان کا پیرانہ سالی میں بہت بڑھ گیا تھا - اسی خیال سے چھ ماہ پہلے حضرت والد صاحب نے اس قصبہ کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کی - جو اس جگہ کی جامع مسجد ہے اور وصیت کی کہ مسجد کے ایک گوشہ میں میری قبر ہو - تا خدائے عزّ و جل کا نام میرے کان پڑتا رہے - کیا عجب کہ یہی ذریعہ مغفرت کا ہو - چنانچہ جس دن مسجد کی عمارت بہمہ وجوہ مکمل ہو گئی اور شاید فرش کی چند اینٹیں باقی تھیں کہ حضرت والد صاحب چند روز بیمار رہ کر مرض پیچش سے فوت ہو گئے اور اس مسجد کے اسی گوشہ میں جہاں انھوں نے کھڑے ہو کر نشان کیا تھا دفن کئے گئے اللھم ارحمہ وادخلہ الجنۃ آمین - ۸۰ یا ۸۵ سال کی عمر پائی -

ان کی یہ حسرت کی باتیں کہ میں نے کیوں دنیا کے لئے وقت عزیز کھویا - اب تک میرے دل پر دردناک اثر ڈال رہی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ ہر ایک شخص جو دنیا کا طالب ہو گا آخر اس حسرت کو ساتھ لے جائے گا - جسنے سمجھنا ہو سمجھے - میری عمر قریباً ۳۴ یا ۳۵ برس کی ہو گی جب حضرت والد صاحب کا انتقال ہوا - مجھے ایک خواب میں بتلایا گیا تھا کہ اب ان کے انتقال کا وقت قریب ہے - میں اسوقت لاہور تھا - جب مجھے یہ خواب آیا تھا - تب میں جلدی سے قادیان پہونچا - اور ان کو مرض زحیر میں مبتلا پایا - لیکن یہ امید ہرگز نہ تھی کہ وہ دوسرے دن میرے آنے سے فوت ہو جائیں گے - کیونکہ مرض کی شدت کم ہو گئی تھی - اور وہ بڑے استقلال سے بیٹھے رہتے تھے - دوسرے دن شدت دوپہر کے وقت ہم سب عزیز ان کی خدمت میں حاضر تھے — کہ مرزا صاحب نے مہربانی سے مجھے فرمایا کہ اسوقت تم ذرا آرام کر لو - کیونکہ جون کا مہینہ تھا - اور گرمی سخت تھی - میں آرام کے لئے ایک چوبارہ پر چلا گیا - اور ایک نوکر پیر دبانے لگا کہ اتنے میں تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھے الہام ہوا والسماء والطارق یعنے قسم ہے آسمان کی جو قضا و قدر کا مبداء ہے - اور قسم ہے اس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہو گا - اور مجھے سمجھایا گیا کہ الہام بطور عزا پرسی خدا کی طرف سے ہے اور حادثہ یہ ہے کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہو جائے گا"

سبحان اللہ کیا شان خداوند عظیم ہے کہ ایک شخص جو اپنی عمر ضائع ہونے سے حسرت کرتا ہوا فوت ہوا ہے اس کی وفات کو عزا پرسی کے طور پر بیان فرماتا ہے اس بات سے اکثر لوگ تعجب کریں گے کہ خدا تعالیٰ کی عزا پرسی کیا معنے رکھتی ہے - مگر یاد رہے کہ حضرت عزّ و جلشانہ جس کسی کو نظر رحمت سے دیکھتا ہے - تو ایک دوست کی طرح ایسے معاملات اس سے کرتا ہے - چنانچہ خدا تعالیٰ کا ہنسنا جو حدیثوں میں آیا ہے ان ہی معنوں کے لحاظ سے ہے -

اب خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب مجھے حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات کی نسبت اللہ جلشانہ کی طرف سے الہام ہوا - جو میں نے ابھی ذکر کیا ہے - تو بشریت کی وجہ سے مجھے خیال آیا کہ بعض وجوہ آمدن حضرت والد صاحب کی زندگی سے وابستہ ہیں - پھر نامعلوم ہمیں کیا کیا ابتلاء پیش آئے گا - تب اسیوقت یہ دوسرا الہام ہوا

الیس اللہ بکاف عبدہ

یعنی خدا اپنے بندے کو کافی نہیں ہے؟ اور اس الہام نے عجیب سکینت اور اطمینان بخشا - اور فولادی میخ کی طرح میرے دل میں دھنس گیا - پس مجھے خدائے عزّ و جل کی قسم ہے - جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اس نے اپنے اس مبشرانہ الہام کو ایسے طور پر سچا کر کے دکھایا کہ میرے خیال اور گمان میں بھی نہ تھا - میرا وہ ایسا متکفل ہوا کہ کبھی کسی کا باپ ایسا متکفل نہیں ہو گا - میرے پر اس کے متواتر وہ احسان ہوئے کہ بالکل محال ہے کہ میں ان کا شمار کر سکوں - اور میرے والد صاحب اسی دن بعد غروب آفتاب فوت ہو گئے یہ ایک پہلا دن تھا جو میں نے بذریعہ الہام ایسا رحمت کا نشان دیکھا - جس کی نسبت میں خیال نہیں کر سکتا کہ میری زندگی میں کبھی منقطع ہو - میں نے اس الہام کو ان ہی دنوں میں ایک نگینہ میں کھدوا کر اس کی انگشتری بنوائی - جو بڑی حفاظت سے اب تک رکھی ہوئی ہے - غرض میری زندگی قریب قریب چالیس برس کے زیر سایہ والد بزرگوار کے گذری - ایک طرف ان کا دنیا سے اٹھایا جانا تھا اور ایک طرف بڑے زور شور سے سلسلہ مکالمات الٰہیہ کا مجھ سے شروع ہوا - میں کچھ بیان نہیں کر سکتا کہ میرا کونسا عمل تھا - جسکی وجہ سے یہ عنایت الٰہی شامل حال ہوئی - صرف اپنے اندر یہ احساس کرتا ہوں کہ فطرتاً میرے دل کو خدا تعالیٰ کی طرف وفاداری کے ساتھ ایک کشش ہے جو کسی غیر چیز کے روکنے سے نہیں رک سکتی - سو یہ اسی کی عنایت ہے - میں نے کبھی ریاضات شاقہ بھی نہیں کیں اور نہ زمانہ حال کے بعض صوفیوں کی طرح مجاہدات شدیدہ میں اپنے نفس کو ڈالا - اور نہ گوشہ گزینی کے التزام سے کوئی چلہ کشی کی اور نہ خلاف سنت کوئی ایسا عمل رہبانیت کیا جس پر خدا تعالےٰ کے کلام کو اعتراض ہو - بلکہ میں ہمیشہ ایسے فقیروں اور بدعت شعار لوگوں سے بیزار رہا - جو انواع اقسام کے بدعات میں مبتلا ہیں - ہاں حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جبکہ ان کا زمانہ وفات بہت ہی قریب تھا ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شخص بزرگ معمر پاک صورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا اور اس نے یہ ذکر کر کے کہ کسی قدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے - اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس سنت اہلبیت کو بجا لاؤ - سو میں نے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا - مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اس امر کو مخفی طور پر بجا لانا بہتر ہے - پس میں نے یہ طریق اختیار کیا - کہ گھر سے مردانہ نشست گاہ میں اپنا کھانا منگوانا - اور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچوں کو جنکو میں نے پہلے تجویز کر کے وقت پر حاضری کے لئے تاکید کر دی تھی - دے دیتا - اسطرح تمام دن روزے میں گذارتا اور بجز خدا تعالےٰ کے ان روزوں کی کسی کو خبر نہ تھی - پھر دو تین ہفتہ کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر روٹی کھا لیتا ہوں - مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں بہتر ہے کہ کسی قدر کھانے کو کم کروں - سو میں اس روز سے کھانے کو کم کرتا گیا - یہاں تک کہ صرف چند تولہ روٹی میں سے آٹھ پہر کے بعد کے بعد میری غذا تھی - غالباً آٹھ یا نو ماہ تک میں نے ایسا ہی کیا - اور باوجود اس قدر قلت غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اس پر صبر نہیں کر سکتا تھا - خدا تعالےٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا اور اس قسم کے روزے کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں